UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188875
UNIVERSAL
LIBRARY

هو المستعان

حیات وقائع سیر و سیاح ڈاکٹر برنیر

بعہد شاہجہان و اورنگزیب

جلد دوم

جسکو اول جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی (و) سی - ایس آئی - ترجمان ہز ایکسلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ کیا اور پھر اُن کی فرمایش سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب فارن منسٹر ریاست پٹیالہ نے از سرِ نو اُردو مین ترجمہ فرما کر باضافہ مفید حاشیون کے اور بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کے چھپوا کر شایع کرایا تھا

اب بار دوم

حسب فرمایش جناب میر ولایت حسین صاحب آنریری مینیجر بکڈپو مدرستہ العلوم علیگڈہ

مطبع مفید عام آگرہ مین باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپا

۱۹۰۶ع

مختصر فہرست کتب موجودہ دوکان الغرض مدرستہ العلوم علیگڈھ

نام کتاب	قیمت
حمائل شریف ـ مترجمہ ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی ـ کاغذ سفید متن حنائی مجلد معہ نقرئی بیل	سے ۲ر
ایضاً .. .. ایضاً .. .. .. ـ بلا جلد	عا ۸ر
قرآن شریف ،، ،، ایضاً ،، ،، ،، ،، مجلد	سے ۱۰ر
ایضاً ،، ،، ،، ایضاً ،، ،، ،، بلا جلد	سے ر
قرآن شریف مترجم ہشت پہل معہ ترجمہ تفسیر حسینی اُردو کاغذ سفید ولایتی بلا جلد	معہ ر
ایضاً ،، ،، ،، ایضاً ،، ،، دیسی ،، ،،	سے ر
تفسیر القرآن جلد اول مصنفہ سر سید احمد مرحوم ـ اس جلد مین سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرا کی تفسیر ہے مطبوعہ مفید عام آگرہ مجلد مطلا ..	سے ۸ر
ایضاً ،، ،، ،، ،، ،، ،، مجلد سادہ	عا ۱۲ر
تفسیر القرآن جلد دوم ـ اس جلد مین سورہ آل عمران ـ سورہ نسا اور سورہ مائدہ کی تفسیر ہے ـ مطبوعہ مفید عام آگرہ مجلد مطلا	سے ۸ر
ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً مجلد سادہ	عا ۱۲ر
تفسیر القرآن جلد سوم اس جلد مین سورہ انعام اور سورہ اعراف کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید مجلد مطلا ..	ملے
ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً کاغذ زرد جلد سادہ ..	للعہ ر
تفسیر القرآن جلد چہارم اس جلد مین سورۂ انفال ـ سورۂ توبہ ـ اور سورہ یونس کی تفسیر ہے ـ مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید جلد طلائی	

فہرست مضامین متعلق متن

نمبر شمار		صفحہ
	مصنف کا پہلا خط	
۱	اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پاکر بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر کو جانا	۱
۲	اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی تحریک تھی ..	۲
۳	اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر ۱۶۶۴ء کو مہورت کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا	״
۴	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج ساتھ تھی اسکی تعداد ..	״
۵	ہمرکاب توپخانہ اور اسکی وجہ تسمیہ	۳
۶	بھاری توپخانہ ..	״
۷	ہمرکاب توپخانہ کا بیان ..	״
۸	فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہ شبہ کرنا کہ کشمیر کی جگہہ ہم قندہار کی مہم پر جاتے ہیں	۴
۹	نواب دانشمند خان کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر	״
۱۰	مصنف کی تنخواہ اور ان چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اسنے ضروری سمجھکر ساتھ لیں	۵
۱۱	شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اس سے ناروے کی بیماری کے پیدا ہونیکا ذکر	۶
۱۲	دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی بجائے گنگا جل استعمال کرنا ..	۷

نمبر شمار		صفحہ
۱۳	صراحی یا مٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ ..	۸
۱۴	شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب	۹
	مصنف کا دوسرا خط	
۱	دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریاے جمنا کے کنارے کنارے اورنگ زیب کا آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر	۱۰
۲	بادشاہی پیش خیمہ کے سازوسامان اور باربرداری وغیرہ کا ذکر	۱۱
۳	خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے اور جسقدر جگہہ تجویز کیجاتی ہے اور جس قرینہ سے شاہی ڈیوڑھی اور خیمہ عام و خاص اور خلوتخانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اسکا ذکر	۱۲
۴	خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر ..	۱۳
۵	خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر	״
۶	شام کے دربار کیلئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانیکا ذکر اور مشعل بنانیکی ترکیب	״
۷	خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر	۱۵
۸	بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر ..	״
۹	بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیموں کا ذکر	״
۱۰	خیمہ معروف عام و خاص کی اونچائی اور	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تکلفات وغیرہ کا بیان ..	۱۶
۱۱	خیمہ گاہ کا بیان ..	۱۷
۱۲	شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف سجے سجائے کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہمرکاب و توپخانہ کی توپوں کا ذکر ..	۱۸
۱۳	خیمہ معروف نقارخانہ کا ذکر ..	〃
۱۴	امرا کے چوکی دینے کا ذکر ..	〃
۱۵	مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر ..	〃
۱۶	خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے متعلق ہیں	۲۰
۱۷	خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پرشکوہ منظر کا بیان ..	〃
۱۸	لشکر کے بازاروں اور انکی شناخت کے ذریعوں کا ذکر ..	۲۱
۱۹	امرا کے خیمہ گاہوں اور ان کی قرینوں وغیرہ کا ذکر ..	〃
۲۰	امرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمونکے رکھنے اور خیام شاہی کیطرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر ..	۲۲
۲۱	چھوٹے درجہ کے امرا اور راؤ اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر ..	۲۳
۲۲	کل لشکر کے لئے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے اسکا بیان ..	〃
۲۳	بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور وغل کا ذکر ..	۲۴
۲۴	لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے رہنما ہونے کا ذکر ..	۲۴
۲۵	منزل پر پہنچنے کے وقت فرودگاہ کی پہچاننے اور اس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت پیش آتی ہے اسکا ذکر ..	〃
۲۶	شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے ادھر ادھر جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اسکا ذکر ..	۲۶
۲۷	آکاس دیا اور اسکے فوائد کا ذکر ..	〃
۲۸	بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ہے اسکا ذکر ..	۲۷
۲۹	بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان	〃
۳۰	تخت روان کا ذکر ..	〃
۳۱	ہاتھی کے میگ ڈمبر اور ہودے کا بیان	۲۸
۳۲	کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کی ساتھ جسطرح سے چلتے ہیں اس کا بیان ..	〃
۳۳	امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طے کرتے ہیں اسکا بیان ..	〃
۳۴	سواری کے وقت جو گرزبردار امرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں انکا ذکر	۲۹
۳۵	راجاؤں کی سواری کے بعد قور جس طریقہ سے چلتا ہے اسکا بیان ..	〃
۳۶	قورخانہ کے بعد منصبداروں کا جو غول آتا ہے اسکا بیان ..	۳۰
۳۷	بیگمات کی سواری کی چیزوں اور انکی زیب و زینت کا بیان ..	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر - - -	۳۲
۳۹	بڑی بیگم اور اور بیگموں کی سواریوں کا ذکر - - -	۳۲
۴۰	بیگمات کی سواریوں کی شان و شوکت اور دلچسپی کا ذکر - - -	۳۳
۴۱	جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک نہ جانیکے باب میں ہے اسکا اور ایک اپنے گزرے ہوئے معاملہ کا ذکر - -	۳۳
۴۲	بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر	۳۴
۴۳	چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر - -	۳۶
۴۴	پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر - - - -	۴۱
۴۵	بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر - -	۴۲
۴۶	بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونیکے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر	۴۴
	مصنف کا تیسرا خط	
۱	پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان - - - -	۴۵
۲	لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اسکا ذکر - - - - -	۴۶
۳	لاہور کی عمارات کا ذکر - -	"
۴	لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر - - -	۴۷
	مصنف کا چوتھا خط	
۱	راستہ کی گرمی اور اسکے سبب کا بیان	۴۹
	مصنف کا پانچواں خط	
۱	دریاے چناب اور اسکے پانی کی عمدگی کا ذکر - - - -	۵۰
۲	جس پریشانی اور دقت سے اس دریا کا عبور کیا اسکا ذکر - - -	۵۰
	چھٹا خط	
۱	گرمی کی شدت کے مارے جو حالت تھی اسکا ذکر - - -	۵۱
	ساتواں خط	
۱	گرمی کی شدت کے مارے اپنی زیست سے ناامید ہوجانا - - -	۵۲
	آٹھواں خط	
۱	بھمبر کسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور امرا کے نوبت بہ نوبت کوچ کرنے کا ذکر - -	۵۳
۲	بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے امرا کا حفاظت کیلئے بھمبر میں چھوڑے جانیکا ذکر مع تذکرہ بعض اور انتظاموں کے - - -	۵۴
۳	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو قلی درکار تھے انکی تعداد اور اجرت وغیرہ کا ذکر	۵۶
	نواں خط	
۱	قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	روایت کی نسبت مصنف کی راے	٥٧
٢	ولایت کشمیر کے عرض وطول کا بیان	٥٨
٣	کشمیر کے موقع اور حدود اور پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالامال ہونے اور سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مکھیوں کی افراط اور ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونیکا ذکر	٥٩
٤	کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان	٦٠
٥	کشمیر کی سرسبزی اور کھیتوں اور ترکاریوں اور میووں کا بیان	٦١
٦	کشمیر کے میووں کے فرنگستان کے میووں سے خوبی میں کم ہونیکی وجہ	٦١
٧	شہر کشمیر اور اسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان	٦٢
٨	عمارات کے لئے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب	٦٢
٩	دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر	٦٣
١٠	تفریحی کشتیوں، نہری رہت اور اسکے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی کا ذکر	٦٣
١١	پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر اور کی نہایت سرسبز ٹاپوؤں اور ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں انکے منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب وہوا کا بیان	٦٥
١٢	شالامار باغ کا بیان	٦٥
١٣	کشمیر کی نسبت مصنف کی راے	٦٧
١٤	ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف میں ہوا تھا	٦٨
١٥	کشمیریوں کے ذہن و ذکا اور ہنر و فن کا ذکر	٧٠
١٦	کشمیری شال کا ذکر	٧٠
١٧	اہل کشمیر کی شکل وصورت کا بیان	٧٢
١٨	مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک کمرہ سے حسین مستورات کو دیکھنا	٧٣
١٩	پھر ایک اور کا اختیار کرنا	,,
٢٠	بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان	٧٤
٢١	ایک عجیب آبشار جس کے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے	٧٦
٢٢	پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گرجانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا	٧٧
٢٣	ایک بھوبلے کی عجیب حکایت	٧٨
٢٤	پیر پنجال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا	٧٩
٢٥	(١) گرمی وسردی کی دو متضاد کیفیتیں	,,
٢٦	(٢) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا	,,
٢٧	(٣) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہ بتانا	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کہ پیر پنجال پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہے - - - -	۸۰
۲۸	کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا عجیب بیان - - -	۸۱
۲۹	چشمہ سوندہ براری کی وجہ تسمیہ اور اُسکے جاری و بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اُس کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال - - - -	۸۱
۳۰	اچھبل نام ایک جوشندہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر - - - -	۸۴
۳۱	ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر - - -	۸۵
۳۲	بارہ مولا میں ایک پیر کے مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر - -	۸۶
۳۳	ایک جھیل کے اندر ایک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے	۸۹
۳۴	ایک چشمہ کا ذکر جو دم لے لے کر اُبلتا ہے اور اُسکے اس طرح پر اُبلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال - -	۹۰
۳۵	ایک جھیل کا ذکر جسمیں برف کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے رہتے ہیں -	۹۱
۳۶	مقام معروف سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے وہاں سخت بارش ہونے لگتی ہے - - - -	۹۱
۳۷	کشمیر کے قرب و جوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان -	۹۲
۳۸	چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اُسکی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوئے اُن کا ذکر - - - -	۹۴
۳۹	بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحائف وہ لایا تھا اُن کا اور اُسکی ذلیل حیثیت کا ذکر - - - -	۹۶
۴۰	سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے اداء خراج اور تعمیر مسجد کے عہد و پیمان کرنا -	۹۷
۴۱	سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما گرو اور مسئلہ تناسخ کا ذکر - - -	۹۹
۴۲	کشمیر سے تبت ہوکر چین کے راستوں اور اشیاء تجارت وغیرہ کا بیان - -	۱۰۱
۴۳	ملک کاشغر کا بیان - - -	۱۰۳
۴۴	کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان	۱۰۴
۴۵	ان اطلاعوں کے ناکمل ہونے کی بابت مصنف کا عذر - - -	۱۰۴

مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
١	پہلا سوال ہوویوں کے کشمیر میں ہونیکی بابت - - - -	١٠٥
٢	دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت - - -	١٠٦
٣	تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کے بہاؤ کے باب میں -	"
٤	چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور دولتمندی اور خوشنمائی کے باب میں -	"
٥	پانچواں سوال دریاے نیل کی طغیانی کی بابت - - -	"
٦	جواب تھیوی نٹ صاحب کے پہلے سوال کا جواب - - - -	"
٧	جواب تھیوی نٹ صاحب کے دوسرے سوال کا - - -	١١٠
٨	جواب تھیوی نٹ صاحب کے تیسرے سوال کا - - - -	١١٤
٩	شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونیکے اسباب کا بیان - -	١١٦
١٠	جواب تھیوی نٹ صاحب کے چوتھے سوال کا - - -	١١٨
١١	مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا	"
١٢	بنگالہ کے چاول اور اُسکے نکاس کا بیان - - -	١١٩
١٣	بنگالہ کی کھانڈ اور اُسکے نکاس کا ذکر	"
١٤	بنگالہ میں جو مربے بنائے جاتے ہیں اُنکا اور مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کم پیدا ہونیکا اور ترکاری اناج اور کھانیکے جانوروں کے کثرت سے ہونے کا ذکر - - -	١٢٠
١٥	ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آبسنے کا ذکر - - -	"
١٦	بنگالہ میں روی ریشم اور سوتی اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر	١٢١
١٧	مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا -	١٢٢
١٨	بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں اور شورہ کا ذکر - - - -	"
١٩	بنگالہ کے گوند افیوں - موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر - - -	"
٢٠	اہل یورپ کو بنگالہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے اور اُس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر - - -	١٢٣
٢١	بنگالہ میں راج محل سے لیکر گنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اُسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لئے توت کے درختوں کی کثرت - - - -	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲	گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور انکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر - - - -	۱۲۴
۲۳	بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر - - - -	"
۲۴	پیپلی سے ہوگلی تک مصنف کا دریا میں سفر کرنا - - - - -	۱۲۵
۲۵	کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر -	۱۲۶
۲۶	مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا - - - - -	۱۲۷
۲۷	مصنف کا اپنے اس سفر میں رات کو عجیب وغریب روشنیوں کا دیکھنا -	۱۳۰
۲۸	پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا - - - -	"
۲۹	جواب تھیونوٹ صاحب کے پانچویں سوال کا - - - - -	۱۳۱
۳۰	مصنف کا دہلی میں شاہ اتھوپیا کے سفیروں سے دریائے نیل کے حالات دریافت کرنا - -	۱۳۴
۳۱	دریائے نیل کے منبع کی بابت اتھوپیا کے سفیروں کا بیان - -	۱۳۷
۳۲	دریائے نیل اپنے مخرج سے جدا ہو کر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہو کر مصر میں پہنچتا ہے اُسکا بیان - -	۱۴۰
۳۳	اتھوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیے - - - -	۱۴۱
۳۴	اتھوپیا کی بارش کی نسبت اُن سفیروں کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکے تعلق کا ذکر - - - -	۱۴۲
۳۵	نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال - - - -	۱۴۵
۳۶	طغیانی کے تخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں -	۱۴۶
۳۷	شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اُسکا ابطال - - - -	"
۳۸	خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر - - - -	۱۴۷
۳۹	شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب - -	"
۴۰	ملاحوں معروفارے کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے - - - -	۱۴۸
۴۱	سینار کے حبشیوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے - -	"
۴۲	ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں -	۱۴۹
۴۳	دریائے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُسکا ذکر - - -	"

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۴۴	ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر	۱۵۰
	مصنف کا خط بنام مسٹر چپیلین مقام شیراز	
۱	سورج گہن کے ایک موقع پر فرانس میں لوگوں کے توہمات کا بیان -	۱۵۱
۲	دہلی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر	۱۵۳
۳	سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ	۱۵۵
۴	گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پن دان کرنیکی وجہ	۱۵۶
	جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان	
۱	رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں -	۱۵۷
۲	جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان	۱۵۸
۳	مورت کے درشن کیوقت لوگ کثرت ازدحام سے کچل جاتے ہیں	۱۵۹
۴	جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا مہاتم سمجھا جاتا ہے	۱۶۰
۵	ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے	"
۶	کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں	

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	کرتی ہیں	۱۶۱
۷	یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں -	۱۶۲
	ستی کا بیان	
۱	ستی کی رسم اور اسکے باب میں حکام مغلیہ کی پالسی	۱۶۹
۲	ایک عورت کا ذکر جس کو مصنف نے سمجھا بوجھا کر ستی ہونے سے روکا -	۱۷۲
۳	مصنف کا ایک بی بی اور اسکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھنا -	۱۷۵
۴	ستی ہونا محبت کے سبب نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم اور تلقین کا نتیجہ ہے -	۱۷۹
۵	بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اول اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا	۱۸۰
۶	مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا	۱۸۱
۷	ستی کے چند واقعات کا بیان جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا -	۱۸۲
۸	جو عورتیں چتا میں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہوسکتیں اور خاکروبوں کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں	۱۸۳
۹	جو عورت ستی ہونا چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر فرنگی پناہ دیتے ہیں -	۱۸۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	مصنف کا ایک کمسن لڑکی کو زبردستی جلائے جاتے دیکھنا - - -	۱۸۴
۱۱	زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں - -	۱۸۶
	ہندو اپنے مردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں	
۱	داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم - - - -	۱۸۷
۲	قریب المرگ بیمار کو تدریج دریا میں ڈبو دینے کی رسم کا ذکر - - -	۱۸۸
	ہندو فقیروں کا حال	
۱	گرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے -	۱۸۹
۲	ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں	"
۳	ننگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر -	۱۹۰
۴	مشہور و معروف سرہند کا ذکر -	۱۹۱
۵	ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے بعض سخت اور غیر طبعی طریقوں کا ذکر اور اُسکی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات - - -	۱۹۲
۶	ہندو فقیروں کا سخت ریاضتیں کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں اسکا نہایت عمدہ ثمر ملیگا - -	۱۹۶
۷	بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	محویت کا بیان اور اوس کی نسبت مصنف کی رائے - - -	۱۹۶
۸	جوگیوں کے تصور اور دھیان جمانے کے طریقہ کا بیان - - -	۱۹۸
۹	جوگیوں کے درویش صورت دکھائی دینے کی وجہ - - -	۱۹۹
۱۰	ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ - -	۲۰۰
۱۱	مہوس اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رمتے جوگیوں کا ذکر -	۲۰۱
۱۲	جین مت کے سادھوؤں اور اُنکی ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے فرقوں کے لئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں - - -	۲۰۳
	ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون	
۱	ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ کا ذکر - - -	۲۰۵
۲	ہندوؤں کے چار بید اور اُنکے نام	۲۰۸
۳	ہندوؤں کے چار برنوں اور اُن کی باہم شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر -	۲۰۹
۴	تناسخ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا بیان - اور اُسکی نسبت مصنف کی رائے - - -	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵	گاؤکشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر - - -	۲۱۰
۶	ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ - - -	۲۱۱
۷	برہما۔ بشن۔ مہیش کی پیدایش اور صفات کا بیان - - -	۲۱۲
۸	بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان - - - -	״
۹	برہما۔ بشن۔ مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکے فہم سے مصنف کے قاصر رہنے کا ذکر - -	۲۱۳
۱۰	برہما۔ بشن۔ مہیش اور اُن کے اوتاروں کی بابت فادر روآنام ایک مشنری مقیم آگرہ کا بیان - - -	۲۱۴
۱۱	مصنف کے ایک رسالے اور فادر کرکر کی ایک کتاب کا ذکر - -	۲۱۷
۱۲	لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے - - - -	״
۱۳	ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں - -	״
۱۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جزو ہے - - - -	۲۱۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راچھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں -	۲۱۸
۱۶	بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصے محض مذہبی افسانے ہیں	״
۱۷	آتما اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض - - -	۲۱۹
۱۸	ہنری لارڈ صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندوؤں کے علوم و فنون کے باب میں ہیں	״
۱۹	شہر بنارس ہندوؤں کا دارالعلم ہے	۲۲۰
۲۰	بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود و باش اور تعلیم و تعلم کا بیان -	۲۲۱
۲۱	زبان سنسکرت اور اُسکی قدامت کا بیان - - -	۲۲۲
۲۲	پرانوں کی تعلیم اور بیدوں کی صفات اور کیابی وغیرہ کا ذکر - - -	۲۲۳
۲۳	فلسفہ کی تعلیم کا ذکر - - -	۲۲۴
۲۴	کھٹ شاستر اور اون کے پیرووں کا بیان - - -	״
۲۵	بودھ مت اور اوسکے پیرووں کا ذکر -	۲۲۵
۲۶	پیدایش موجودات کے باب میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر - -	״
۲۷	بعضے اجزاے لایتجزیٰ کو کائنات کی اصل مانتے ہیں - - -	״

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	بعضے مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں	۲۲۷
۲۹	بعضے عناصر اربعہ اور آکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں	〃
۳۰	لفظ آکاش کا لفظ پرائی ویتھن کے قریب المعنی ہونا	〃
۳۱	بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اول ہے	۲۲۸
۳۲	بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویتھن ہی اصل اصول ہیں	〃
۳۳	بعضے سم بندہ ہی کو اصل سمجھتے ہیں	〃
۳۴	ہندوؤں کے نزدیک اصول و ہیولی اشیا ازلی و ابدی ہیں	〃
۳۵	ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر	۲۲۹
۳۶	ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اُسکی مثالیں۔ اور اوس کی نسبت مصنف کی راے	۲۲۹
۳۷	ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں	〃
۳۸	مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں	۲۳۰
۳۹	فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت	۲۳۱
۴۰	ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر	۲۳۲
۴۱	چاند گہن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ	۲۳۲
۴۲	ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں	〃
۴۳	ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں	۲۳۳
۴۴	خیالی پہاڑ سمیر کا ذکر	〃
۴۵	علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر	〃
۴۶	ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی راے	۲۳۴
۴۷	مصنف کا شہر بنارس کے ایک بڑی پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات	۲۳۵
۴۸	عمر دُنیا کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۳۷
۴۹	دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۳۹
۵۰	لنگ شریر کا مسئلہ جو شاستروں میں ہے اُسکی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۳۹
۵۱	وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر	۲۴۰
۵۲	مصنف کے خط کا خاتمہ	۲۴۶
	مصنف کا خط بنام مانشور دی لاماتہی لی وی ار	
۱	یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مختلف الوضع ہونے کا سبب -	۲۴۴
۲	شہر دہلی کا ذکر - - -	۲۴۸
۳	قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر -	۲۷۰
۴	دروازہ معروف ہتھیاپول کا ذکر -	"
۵	قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر	۲۷۲
۶	مکان عام و خاص اور نقار خانہ کا ذکر	۲۷۴
۷	شاہی محلسرا کا بیان - -	۲۸۴
۸	دربار اور تخت طاؤس کا بیان -	۲۸۶
۹	مینا بازار کا ذکر - - -	۲۹۲
۱۰	ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر	۲۹۶
۱۱	جامع مسجد کا ذکر - - -	۲۹۸
۱۲	کاروانسرا کا ذکر - - -	۳۰۳
۱۳	پیرس اور دہلی کی آبادی یا مفلوکوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ -	۳۰۴
۱۴	اُمرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر -	۳۰۵
۱۵	دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر - - - -	۳۰۶
۱۶	دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستے کا ذکر - - - -	۳۱۹
۱۷	شہر آگرہ عرف اکبرآباد کا ذکر - -	"
۱۸	جیسوئیٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک گرجا اور کالج کا ذکر - -	۳۱۴
۱۹	ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر -	۳۲۳
۲۰	مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر -	۳۲۴
۲۱	تقریظ - - -	۳۳۱

فہرست مضامین متعلق حواشی

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مٹی کے برتن میں پانی کے ٹھنڈا رہنے کا سبب - - -	۹
۲	اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا مختصر ذکر بروایت عالمگیر نامہ -	۱۱
۳	لفظ قور کی تحقیق - -	۲۹
	سکندر اعظم کے گھوڑے بیوسِس فلا کی وجہ تسمیہ - -	۴۵
۴	کوہ المپس اور اسکی نسبت قدیم یونانیوں کے مذہبی توہمات کا بیان - - -	۵۹
۵	کوہ ہری پربت واقع کشمیر کے نام کی تحقیق - -	۶۴
۶	باغ شالامار کے نام کی تحقیق -	۶۵
۷	شال کشمیر کا ذکر - -	۷۱
۸	بڑی تبت کے رئیس ولدن نمجل کا ذکر بروایت عالمگیرنامہ - -	۹۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹	لاما گرو کا ذکر - - -	۹۹	۲۵	مشہور درویش سرمد کی مختصر سرگذشت	۱۹۱/۱۹۲
۱۰	جھولے اور چھینکے کا بیان جن کے ذریعہ سے لوگ بعض پہاڑی دریاؤں سے عبور کرتے ہیں - - -	۱۰۲	۲۶	یونان کے حکما سینک کی وجہ تسمیہ -	۱۹۳
۱۱	شال ہنیسر نامی ایک ظالم بادشاہ کا ذکر - - -	۱۰۷	۲۷	دیوجانس اور افلاطون حکیم کا مختصر حال - - - - -	۱۹۴/۱۹۵
۱۲	ڈالفن مچھلی کی تحقیق -	۱۲۶	۲۸	سجے روم کارڈن حکیم کا مختصر ذکر -	۱۹۷
۱۳	قمری قوس قزح کی تحقیق - -	۱۲۷	۲۹	ڈاکٹر ہیکیٹ اور ہاروے کا مختصر حال	۲۰۵
۱۴	دریائے نیل کے دلچسپ حالات	۱۳۱/۱۴۰	۳۰	حکیم ڈی کارٹس کا مختصر ذکر - -	۲۰۶/۲۰۷
۱۵	حکیم بطلیموس اور کتاب مجسطی کا ذکر	۱۴۲	۳۱	بید کے زمانہ تالیف کی تحقیق - -	۲۰۸
۱۶	فرانس کے دو حکیموں گیسنڈی اور رابرول کا مختصر حال - -	۱۵۳	۳۲	ہندوؤں کے اوتاروں کا ذکر - -	۲۱۵/۲۱۶
۱۷	سورج گہن کے موقع پر بمقام تھانیسر ہنود و فقیروں کی لڑائی کا ذکر	۱۵۵	۳۳	شہر بنارس کا ذکر - -	۲۲۰/۲۲۱
۱۸	قدیم زمانہ کے سومن نامی ایک بت کا دلچسپ تاریخی حال -	۱۵۸/۱۶۰	۳۴	اس الزام کی تردید کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ غیر مذہب کی کتابیں جلوا دیتے تھے - - -	۲۲۳/۲۲۴
۱۹	بنگالیوں کے کھیمٹا ناچ کا ذکر - -	۱۶۱	۳۵	چھوؤں شاستروں کے بانیوں کے نام وغیرہ - - -	۲۲۴/۲۲۵
۲۰	مندر جگن ناتھ کی نسبت ڈاکٹر بکانن کا چشم دیدہ بیان - -	۱۶۲/۱۶۸	۳۶	ڈی ماکریٹس اور اپیکورس حکیموں کا عقیدہ مبادی اجسام کے باب میں	۲۲۶
۲۱	ستی ہونے کے امتناع کا ذکر -	۱۶۹/۱۷۴	۳۷	مشہور مسلمان فلاسفر ابن رشد کا مختصر حال - - -	۲۲۹
۲۲	ایک افریقی سیاح معروف ابن بطوطہ کا ستی کی نسبت چشم دیدہ بیان - -	۱۷۵/۱۷۸	۳۸	حکیم جالینوس کا ذکر - -	۲۳۱
۲۳	ستی کی نسبت ایک ہندی مثل -	۱۸۱	۳۹	کتاب گلشن راز کا ذکر - -	۲۳۳/۲۴۱
۲۴	قدیم زمانہ کے ڈائینا نامی ایک بت کا دلچسپ تاریخی حال - - -	۱۸۵	۴۰	رابرٹ فلڈ نامی ایک فلاسفر کے اعتقادات کا ذکر - - -	۲۴۱/۲۴۲
			۴۱	شاہجہان آباد کی تاریخ آبادی -	۲۴۹
			۴۲	شاہجہان آباد کی شہر پناہ -	۲۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۳	شہر دہلی کی وجہ تسمیہ - -	۲۵۰ / ۲۵۱	۵۲	تخت طاوس کا دلاویز بیان - -	۲۸۷ / ۲۹۰
۴۴	قلعہ شاہجہان آباد کا ذکر -	۲۵۲	۵۳	یونان کے قدیم مصنف پلوٹارک کا ذکر	۲۹۴
۴۵	جزایر کناری کا ذکر - -	۲۶۶	۵۴	جامع مسجد کا ذکر - - -	۲۹۸ / ۳۰۲
۴۶	قلعہ شاہجہان آباد کے دروازہ معروف ستہیہ پول کی تحقیق - - -	۲۷۱	۵۵	ایک پرانے مندر کا ذکر جسکو راجہ تہیوا نے بنوایا تھا - - -	۳۰۶ / ۳۰۹
۴۷	شاہجہان آباد میں جو نہر ہے اسکی تحقیق	۲۷۲	۵۶	جہانگیر نے اگرہ سے لاہور کو جو سڑک بنوائی تھی اسکا سال تعمیر - -	۳۰۹
۴۸	قلعہ شاہجہان آباد کے مکان عام و خاص کا ایک دلچسپ بیان -	۲۷۷ / ۲۷۸	۵۷	اکبرآباد کے نام کی تحقیق - -	۳۱۰
۴۹	مکان عام و خاص کی وجہ تسمیہ -	۲۷۸	۵۸	تماشاخانوں معروف ایم فی تہیٹر کا دلچسپ حال - -	۳۱۲ / ۳۱۸
۵۰	مکان معروف غسلخانہ کی تحقیق -	۲۸۲			
۵۱	برج مثمن کا ذکر - - -	۲۸۵	۵۹	مقبرہ معروف تاج گنج کا سال بنا وغیرہ	۳۳۰

تمت بالخیر

جلد دوم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنی از عہد شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنوان داند	کہ دریں نامہ چہ اسرار نگہ خواہد بود

مصنف کا پہلا خط بنام مانشیو ردی مرولیس[1] منمقام دہلی مورخہ دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب کشمیر جنت نظیر

اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پاکر بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر کو جانا۔

صاحب من! جب سے اورنگ زیب کا مزاج مائل بصحت ہوا ہے اُسی وقت سے یہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل آب و ہوا اور آیندہ گرمی سے بچنے کیلئے جسکے باعث عود مرض کا اندیشہ تھا لاہور اور

[1] بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص اُن کے لب و لہجہ کے موافق اُنکا صحیح تلفظ کیا ہے اگرچہ یہ دقت انگریزی میں بھی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں تلفظ اُس کا اکثر مطابق اصوات مقررہ اُن حروف کے نہیں ہوتا۔ مگر یہ دقت فرانسیسی الفاظ و اسماء کی تہجی میں اور بھی زیادہ ہے اور خاص اہل زبان سے سننے بدون تصحیح ناممکن ہے۔ س۔ م۔ ح۔

1 Monsieur de Merveilles ‏مَ۔ ن۔ شِ۔ یُ۔ رُ۔ دِ۔ مَ۔ رِ۔ وِ۔ یِ۔ لِ۔ س

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے عقیل آدمیوں
کو اس بات کے یقین کرنے میں تامل تھا کہ جس حالت میں کہ اُسکا باپ آگرہ
کے قلعہ میں مقیّد ہے وہ ایسا دُور و دراز سفر کرنے کی جرأت کس طرح کریگا !

اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی تحریک تھی۔

لیکن بہرحال حفظ صحت کے خیالات مصالح سلطنت پر غالب آئے! اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریض اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اس امر کی آرزومند تھی کہ بہ نسبت اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کروفر سے فوج کے ساتھ جائے جیسے کہ اُسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ عیسوی کو مہورت کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا

الغرض بادشاہ نے اس مہینے کی چھٹی تاریخ تین بجے دن کے جو جوتشیوں نے اس لمبے سفر کیواسطے مبارک ساعت (مہورت) تجویز کی تھی! کوچ کیا اور شالامار باغ میں جو پایۂ تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جا کر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقف فرمایا کہ اس لمبے سفر کے سامان کیواسطے جو ڈیڑہ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مہلت ملے۔ اور آج ہم سنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہ کہ دو مقام کرنیکے بعد پھر کوچ میں اَور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج زیادہ تھی اُسکی تعداد

اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس [۳۵] ہزار سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتے

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہمرکاب توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ اور اُس کی وجہ تسمیہ۔ اس توپ خانہ کو ہمرکاب توپخانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپخانہ وقت بیوقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ۔ بھاری توپخانہ میں ستر توپیں ہوتی ہیں! جنمیں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیاں اُن کے کھینچنے کیواسطے ضرور ہیں اور بعضی تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہو یا کہ چڑہائی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیوں کو اپنے سر اور سونڈ سے ڈھکیلیں۔

ہمرکاب توپ خانہ کا بیان۔ ہمرکاب توپخانہ میں پچاس یا ساٹھہ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں! اور سب پیتل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑہی ہوئی ہوتی ہے۔ جسپر زینت کیواسطے چند سرخ جھنڈیاں لگاتے ہیں چنانچہ اسکا ذکر مینے کسی اور مقام پر بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھہ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قایم کیجائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی سلامی اُتار سکیں۔

فوج و لشکر کی کثرت سے لوگونکا یہ شبہ کرنا کہ کشمیر کی جگہہ ہم قندہار کی مہم پر جاتے ہیں۔

یہ بادشاہی لشکر اور ہمرکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہہ قندہار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت کارآمد مقام ہے قندہار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہہ ہے اور اس وجہ سے اُسپر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہان ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک متنفس کو جو اس سے علاقہ رکھتا ہے اب دہلی سے روانہ ہوتے میں جلدی کرنا ضروریات سے ہے اگرچہ اُسکے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اس بات کے ہوں کہ کچھہ توقف کرے پس اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہو جائیگا۔

نواب دانشمند خان کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر

علاوہ بریں ہمارا نواب دانشمند خان میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سواروں کی فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے اُسکو صبح کیوقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مختص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکو علم ہیئت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسنڈی[1] اور ڈس کارٹس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

1 Gasseudi. — ۵۱ گ ی س ی ن ڈ ے
2 Descaises. — ۵۲ ڈ س ک ا ر ٹ س

مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُس نے ضروری سمجھکر ساتھ لیں۔

پس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہونگا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قدر اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے جسقدر کہ رسالہ کے ایک ذیعزت عمدہ دار کو درکار ہے کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے ترکی گھوڑے مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں۔ اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیئے جو ملک کے دستور کے موافق پانی کی صراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے میںنے ضروری اور آرام کی اور بھی سب چیزیں ساتھ کے لئے تیار کرلی ہیں۔ مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے اور ایک تکیہ اور دو لحاف جنمیں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ایک گول چرمی سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے سے شلیتہ میں جسکے دو حصے ہوتے ہیں اور جسمیں تسمے لگے ہوئے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے۔ علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں میںنے احتیاطاً پانچ چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نیبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے ہیں اسکے سوا باریک کپڑے کی ایک تھیلی مع ایک آہنی قلابے کے جسمیں لسّا کر دہی کو چھانا جاتا ہے میںنے یاد کرکے ساتھ رکھ لی ہے کیونکہ اس ملک میں نیبو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے۔ یہ سب چیزیں جیسا کہ میںنے

ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈ ہنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر اُلٹ دیں۔ ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو فرانس کے سے اِن[1] یعنی مسافر خانوں اور آرام و آسایش کے سامان کی ہمسری کی امید نہیں ہے اور ہماری مہمان سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے۔ اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے۔

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اس سے ناروے کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر۔

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کی طرف کوچ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کیواسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی ایسی نہیں رہتی کہ جسکی برداشت نہو سکے۔ اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت نہ اُٹھانی پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے

---

[1] اِن　1 Inn

اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہ بھی امید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جس کا میلاپن مجھ سے بیان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر انسان و حیوان بیدھڑک وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں۔ اس پانی سے بہت عسیر العلاج تپین پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے ہوتے ہیں۔ اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں۔ یہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چکارے کے تارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے نکالنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے۔

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جگہ گنگا جل استعمال کرنا۔

میرے لئے یہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہی کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اور امراے دربار کیطرح ہمارے نواب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے گنگا جل کے بہت سے اونٹ لدوا لئے ہیں۔

صراحی یا مٹی کے برتنوں میں

پانی کی صراحی ایک ٹین[۵۱] کا برتن ہے جسپر سرخ کپڑا منڈھا ہوا

[۵۱] اصل کتاب میں بجائے جست کے ٹین لکھا ہے۔ س م ح

پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ۔

منڈھا ہوتا ہے اور اُسکو ایک خدمتگار ہاتھ میں لیکر اپنے آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اُسمیں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے لیکن میں نے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی۔ اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کپڑا جو اسپر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے یا اُسے ایک ہوادار جگہ میں جیسا کہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جاوے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کیواسطے ازبس ضرور ہے گویا کہ یہ نمی جس سے کپڑا تر رہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹکلز) [٥١] کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہوجاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معہذا اُن شوریلے اجزا (نائٹرس پارٹکلز) [٥٢] اور اَور اجزا کو جو اُس کپڑے اور ظرف کے اندر گھس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کرکے اُسکو ٹھنڈا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جسطرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہ امر شیشہ کی بناوٹ اور اُسکے اجزا کی خاصیت اور اس فرق کی وجہ سے ہے جو پانی اور روشنی کی لطافت میں ہے۔ +

٥١ ف اء ری پ ارٹ ی ک ل

٥٢ ن اء ٹ رس پ ارٹ ی ک ل

+ جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جائے جسپر کانچ پھرایا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاپ بنکر اُڑ جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو

یہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسامدار مٹی سے بناے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُنپر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر یہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو انکا پانی اُن صراحیوں سے بھی زیادہ خنک ہوتا ہے

شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں اور اُسکی ترکیب یہ ہے کہ یہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جسکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اُسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جسمیں تین چار مٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسیطرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیسا کہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتدا ءً کبھی کبھی کچھ تلئین کا اثر کرتی ہے لیکن معلوم نہیں بجاے ان خیالوں کے کہ شام سفر سر پر کھڑی ہے۔ اور اس ملک کی جلتی بلتی دھوپ میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہر روز مرہ چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسیطرح لادا اور اُتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہ وعدہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اُکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸ - پانی میں جذب ہتی ہے نکل جاتی ہے تو اس برتن میں پانی بیشک ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسیطرح جم بھی سکتا ہے اور یہ تاثیر اس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے - جبکہ برتن کو دھوپ میں رکھا جاے اور اُس کے باہر کے سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپیٹا جاے - اگلے زمانہ کے علم کیمیا کے علما کا یہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے ہے جسکے اُنھوں نے مختلف نام رکھے ہوے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اس شے کو کیلورک[ل] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں ۱۲ مترجم انگریزی -

---

ل ک ے ل و ر ک　　*Caloric*

جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گزران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی۔ میں یہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

او یار اب خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقع پر ہم ہم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان وشوکت سے جیساکہ بادشاہانِ ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے میں سب دلچسپ واقعات لکھتا رہونگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں۔

مصنف کا دوسرا خط بنام مانشیور دی مرویلس مورخہ

۲۵ فروری ۱۶۶۵ء مقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے اورنگزیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر۔

صاحب من! یہ کوچ فی الواقع آہستہ اور باشان وشوکت طور کا ہے جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سوا سو کوس[ف۱] یا پندرہ منزل کے ہے۔ مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریائے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں

ف۱ یعنی تین سو پچھتر (۳۷۵) میل ہے۔

س م ح

باتوں کی خاطر معمولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوی اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریاے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا اور ایسی لمبی لمبی گھاس میں جسمیں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور قسم قسم کی شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور اسیطرح کا شکار بکثرت ملا اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوے ہیں اور مجھکو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنے کے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند کروں مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا اور آپکو ایک ایسا ملک دکھاؤنگا جو دنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ ہے[۵۱]

بادشاہی پیش خانہ (پیش خیمہ) کے ساز و سامان اور بار برداری وغیرہ کا ذکر

جب کبھی بادشاہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے تو اسکے ذاتی آرام و آسایش کے لئے دوہرا سامان

---

۵۱ تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہوجائے اس سفر کا حال عالمگیرنامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔ اسمین لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملکداری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غرہ جمادی الاول سنہ ۱۰۷۳ھ کو کہ اسکے جلوس کا سال پنجم اور "روز جشن وزن مقدس" یعنی تل دان کا دن بتقریب سالگرہ آغاز سال چہل و پنجم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم بحساب قمری تھا دارالخلافہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اعز آباد مین (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھا ہی) نصب ہوئے اور ساتوین ماہ جمادی الاول کو مطابق ۲ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہوکر باغ مذکور مین ڈیرہ کیا۔ گیارہوین کو یہان سے کوچ کرکے چند روز ان شکارگاہوں مین جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنپت کی راہ سے ۲۰ کو کرنال پہنچا۔ یہاں سے فاضل خان میر سامان کو مع لشکر و اسباب زائد سیدھا لاہور کو روانہ کیا اور آپ معمولی

خیمون ڈیرون وغیرہ کا ہمراہ ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک پورا سامان ہمیشہ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچتے ہی سب طرح سے سجا سجایا اور تیار ملے اور اسیواسطے اسکو پیش خانہ (پیش خیمہ) کہتے ہیں یہ دونوں پیش خانے قریباً ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اُٹھانیکے واسطے ساٹھ ستر ہاتھی دوسو اونٹ سو خچر اور سو حمال درکار ہوتے ہیں۔ بھاری اسباب تو ہاتھیوں پر لادا جاتا ہے جیسے بڑے بڑے ڈیرے اور اُنکی بھاری چوبیں جو بباعث درازی اور وزن کے تین ٹکڑوں کی ہوتی ہیں۔ اور چھوٹے ڈیرے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اور باورچی خانے کا سامان خچروں پر۔ اور ہلکی اور زیادہ قیمتی چیزیں حمال لیجاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن جو بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں۔ اور روغنی یا ملمع کے پاؤن کے پلنگ اور وہ قیمتی خرگاہ جسکا ذکر ہم بعد ازین کرینگے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۔ شاہزادہ چھوڑکر مخلص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوئے پانچوین جمادی الآخر کو قصبہ خضر آباد میں (جو جمنا کے دائیں کنارے فی زماننا ضلع انبالہ تحصیل جگادھری کے متعلق ہے) دریا کے اس پار آپہنچے اور نواحی خضر آباد کے شکار کے بعد گیارہوین تاریخ کو انبالہ مین ڈیرہ کیا۔ پندرہوین کو سرہند آئیس کو لدھیانہ پہنچے دریائے ستلج پر پہلے سے کشتیون کا پل بندھ چکا تھا۔ اسلئے دوسرے دن پھلور ڈیرہ ہوا۔ چونکہ بادشاہی "قراولون" یعنی میر شکارون نے پھلور کے نزدیک ایک جنگل میں دو شیر دیکھے تھے اسلئے بادشاہ سوار ہوئے اور دونوں کو بندوق سے شکار کیا۔ اسکے بعد چھبیس ۲۶ کو نواحی تلونڈی میں ڈیرہ کیا (وہ تکلیف اور سرگردانی جو شیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اُٹھانی پڑی تھی اور جسکا ذکر ڈاکٹر برنیر نے آگے بہت تفصیل سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جگہ مابین پھلور اور تلونڈی کے تھی) بعد ازین دریائے

خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے اور جس قدر جگہ تجویز کیجاتی ہے اور جس قرینے سے شاہی ڈیوڑھی اور خیمہ عام و خاص اور غلہ خانہ وغیرہ لگائے جاتی ہیں اُسکا ذکر

پیش خانے کے منزل پر پہنچتے ہی میر سامان ایک عمدہ موقع خیام شاہی کے واسطے تجویز اور انتخاب کرتا ہے اور کمال توجہ کے ساتھ حتی الامکان اسمیں کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر گاہ نسبت اور قرینہ کے ساتھ ہو اور ایک مربع قطعہ جسکی چارون طرفین تین تین سو معمولی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں داغ بیل لگا کر محدود کر دیا جاتا ہے اور سو بیلدار فوراً اُسکو صاف و ہموار کر کے اُسکی سطح کو چبوترے کے طور پر ذرا بلند کر دیتے ہیں ۔ پھر اس کے گردا گرد قناتین جنکی بلندی سات یا آٹھ فرانسیسی فٹ کے برابر ہوتی ہے گھیر دیجاتی ہیں جنکے کھڑے کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ میخین گاڑھ کر انکی رسیون کو اُن سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دس قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبین جنکے نیچے کے سرے زمین پر جمے ہوئے ہوتے ہیں تھامنے کیواسطے دونون طرف اس طور پر کھڑی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۔ "بیاہ" یعنی بیاس کو بعضون نے بذریعہ کشتی کے اور بعضون نے پایاب عبور کیا اور فتح آباد میں مقام ہوا اور دوسری رجب کو لاہور پہنچکر باغ فیض بخش میں (جو شاہجہان کے وقت میں شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور جسے ہمارے زمانہ میں عموماً شالامار کہتے ہیں) ڈیرہ کیا اور چونکہ شہر اور قلعہ لاہور میں داخلہ کی ساعت دسوین رجب غرہ اسفندیار ماہ فارسی وقت دوپہر سے پہلے نہیں تھی اسلئے تاریخ مقررہ تک اس باغ میں بدستور مقام رہا۔ واضح ہو کہ جمنا کی وہ نہر جو اس دریا کے بائین کنارے سے دہلی کو گئی ہے اور جسکو نہر چمن شرقی کہتے ہیں شاہجہان نے اُسکے سرے پر نہایت عمدہ عمارتین بنوائی تھین اور اسجگہہ کو اُسوقت مخلص پور کہتے تھے فی زماننا مخلص پور کوئی بستی نہیں ہے۔ البتہ کچھ کھنڈر جنکو لوگ بادشاہی محل کہتے ہیں مابین فیض آباد و موضع کھارا کہ جنکے باہم تخمیناً چار میل کا فاصلہ ہے اور جہان ہماری زمانہ میں اس نہر کا سرا واقع ہے اُن عمارتوں کا پتہ بتلاتے ہیں فیض آباد ضلع سہارنپور کے متعلق اور خضر آباد سے محاذی جمنا پار ایک مختصر سا قصبہ ہے۔ ۱۲ س۔م۔ بت

کیجاتی ہیں کہ ایک چوب دوسری کے سہارے ہوتی ہے - یہ قناتین ایک مضبوط کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اُسپر ہندوستانی چھینٹ سے نقش ونگار اور پھول وغیرہ بنا ہوے ہوتے ہیں -

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قطعے کے ایک ضلع کی عین وسط میں رکھی جاتی ہی وسیع اور مکلف ہوتی ہے اور اُسکی قناتوں کے اندر نقش ونگار بہ نسبت اُن قناتون کے جن سے اس قطعہ کی باقی طرفین گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتی ہیں -

خیمہ معروف عام وخاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر -

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگایا جاتا ہے اُسکو عام وخاص کہتے ہیں - جہان بادشاہ اور امرا نو بجے صبح کے جمع ہوکر امور سلطنت پر غور اور انصاف وعدالت کیا کرتے ہیں! ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنمیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجا آوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے -

خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کیطرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اُسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہان سب امرا شام کیوقت مجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص دہلی میں -

شام کے دربار کے لئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانے کا ذکر اور شمع بنانے کی ترکیب

اس شام کے دربار سے امرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل سنٹروں میں سے مشعلین ساتھ لئے ہوے غسل خانہ کی طرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

تو دور سے اندھیری رات میں یہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ شعلیں ہمارے وطن فرانس کیطرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیار کیجاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگا یا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کپی سے جو شعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لمبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہی تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف بخلوت خانہ کا ذکر

ان دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو غسلخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کر سر انجام کے لئے یہی جگہہ ہے

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر

خلوت خانہ سے اور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گردا گرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قد آدم سے زیادہ نہیں ہوتی لگی رہتی ہیں ان قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی مشجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر اُنپر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیموں کا ذکر

ان شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے ڈیرے لگتے ہیں۔ یہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں

اور اُن کے بیچ مین ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی اصلوں اور خانہ زادوں اور اُور ملازم عورتوں اور متعلقات محلسرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہ ڈیرے اُن عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائے جاتے ہیں

خیمہ معروف عام خاص کی اونچائی اور تکلفات وغیرہ کا بیان

عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے بلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہ کہ دور سے پہچانے جاسکیں۔ ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور سخت سرخ رنگ کا ہوتا ہے جسپر سجاوٹ کے لیے بڑی بڑی رنگا رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں (جس سے مصنف کی مراد غالباً پٹا پٹی کا کام ہے)۔ لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کیواسطے بنائی جاتی ہے جسپر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی مشجر لگے ہوے اور اُسپر ریشم یا سرخ وسفید زری کا کارچوبی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک جھالر کے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اسمیں تین چار پانچ موٹے روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر مکلف قالین اور زربفت کی مربع مسندین آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لیئے بچھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان خیموں کی چوبین ملمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں

اور اُن دونون ڈیرون میں جنمین بادشاہ مع اُمرا و ارکان دولت رونق بخش ہوکر نظم ونسق امور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہہ ہوتی ہے جسپر ایک مخملی یا ریشمی مشجر کے وسیع شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سنتا ہے۔

خرگاہ کا بیان اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہ تصور کر لینا چاہیئے کہ گویا ہمارے ملک فرانس کا لپٹ جانے والا ایک مربع چھپر کھٹ[۵۱] ہے۔ جو بقدر دو چھپر کھٹوں کے بلندی میں ہے مگر چھت اُسکی چورس نہیں ہے بلکہ گنبد کی طرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپر کھٹ میں بڑا فرق یہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہہ بہت پتلی اور سبک باہر کی جانب ملمع یا روغن کئے ہوئے تختے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور زیبایش کیواسطے گرداگرد ریشم اور زرزری کی جھالر ٹکی ہوئی اور اندر کی طرف قرمزی رنگ کا ریشمی مشجر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

اِن حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قطعہ کے اندر جو جو اُمور قابل بیان و لحاظ تھے میںنے اُن میں سے کوئی نہین چھوڑا۔

شاہی ڈیوڑھی کے دونون اب اس مربع قطعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے

[۵۱] اس جگہہ لفظ چھپر کھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب مین لفظ اسکرین ہے جسکے معنی چھپر کھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوئے لکڑی کے ایسے چوکھٹے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کئے جاسکتے ہیں اور جنکو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہہ پر کھڑا کر کے قنات یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہو کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہو۔ س م ح

[۵۱] س ک ر ی ن Screen

> طرف سجے سجائے کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہمرکاب توپخانہ کی توپوں کا ذکر۔

ہوتے پہلے میں اُن دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں یہاں پر چیدہ عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت مکلف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کیوقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہمرکاب توپخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی کی جاتی ہے۔

> خیمہ معروف نقارخانہ کا ذکر

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک وسیع صحن جسمیں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جسکو نقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہہ نقارے اور شہنائیں رہتی ہیں۔

> امرا کے چوکی دینے کا ذکر

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں اُمرا نوبت نوبت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر امرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ہاں کا ایک ڈیرہ ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسایش و خلوت کی غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں

> مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر

اس بڑے مربع قطعہ کی باقیماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ دیکر بعض عہدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے

جاتے ہیں جلسے خاص خاص قسم کے شاہی امور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہ ہو تو یہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جدا جدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا لفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپکو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں پس یہ کافی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب بیان کر دوں یعنی اُن میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاؤ ساز وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کی طرف سے اکثر خلعت میں دیجاتی ہیں۔ اور چار علیحدہ علیحدہ خیمے واسطے گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک قسم کا پتہ ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات و الطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے موہنہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُسکے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ انکے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی سواری کے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں

یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کیوقت شکار بھی اور شکاری کتّوں اور چیتیوں کے لیئے جو ہرن اور نیل گائے کو پکڑتے ہیں۔ اور شیروں اور گینڈوں کے لیئے جو شوکت دکھانے کے لیئے ہمراہ لائے جاتے ہیں اور بنگالی بھینسوں[۵۱] کے لیئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوئے ہرنوں کے لیئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑائے جاتے ہیں۔

خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں

لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لیئے یہی خیال نہ کر لینا چاہیئے کہ جو خیمے اُس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف انہیں سے یہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جنکا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لیئے یہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اُسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو۔

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پر شکوہ منظر کا بیان

اب آپ باسانی سمجھ لینگے کہ یہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قریب دیوار کی کسی بلندی سے دیکھائی دیتا ہے تو دل پر اُسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ لشکرگاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے اُسمیں اُتر سکیں۔

[۵۱] ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جنکو آرنا بھینسہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س - م - ح -

لشکر کے بازاروں اور انکی شناخت کے ذریعوں کا ذکر

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے سب سے اول میر سامان کو یہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کے واسطے ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جائے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اُترنے کا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازارون کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلین لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے داہنے اور کبھی بائیں اسطور سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سے کہ اگلی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے راستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کیواسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جسمیں سرخ پھریرا اور سرے پر سورہ گاے دم لگی ہوتی ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

امرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کے قرینوں وغیرہ کا ذکر

اِسکے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے معمولی فاصلہ پر ہو خواہ داہنے ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہہ کو جو اُسکے لئے مقرر ہے

یا اُس جگہہ کو جو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُسکے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے ۔

جو تعریف کہ مینے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے یہ لوگ بہی عموماً اسیطرح دو پیش خانے رکھتے ہیں اور انکی خیمہ گاہیں بھی اُسی طور پر قناتوں سے جو اُن کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گردا گرد لگائی جاتی ہیں گھر کر مربع شکل کی ہو جاتی ہیں اور اُن کی اِن مربع صورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں اور اسیطرح ایک بازار بہی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے ۔ جسمیں اُن کی فوج کے دوکاندار اور بہیر کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح پر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی بازاروں سے جنمیں کل سامان اور اجناس اکثر مثل پائے تخت کے میسّر آسکتی ہیں کسی شئے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی ۔ ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے ۔ تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دور ہی سے جدا جدا معلوم ہو جائے ۔

امرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمونکے رکھنے اور خیام شاہی کی طرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر۔	اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے اونچے اونچے ڈیرے رکہنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اس قدر اونچے

نہ ہوں کہ پادشاہ کی نظر اُن پر پڑ جائے اور وہ اُن کے گرا دینے کا حکم دیدے جیسا کہ اُس نے ہمارے اسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی ضرور ہے کہ اُن کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور ادب کے خیال سے یہ بھی واجب ہے کہ اُمرا کے خیموں کے موہنہ عموماً عام و خاص اور قیام شاہی کی طرف کو رہیں (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پائے)

چھوٹے درجہ کے امرا اور اَور اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر۔

باقی زمین جو ما بین خیام شاہی اور اُمرا کے خیمہ گاہوں اور بازار کے ہوتی ہے اُسمیں چھوٹے درجہ کے امیروں اور منصب داروں اور اہل توپخانہ اور ہر قسم کے تاجروں اور دُکان داروں اور ملکی عہدہ داروں اور اَور اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی اغراض اور مطالب مختلفہ کی وجہ سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بے حد و شمار خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا سطح اُن کے کھڑے ہونے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

کل لشکر کے لئے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے اُس کا بیان۔

اگرچہ کل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور وسعت زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض فرنگستانی سیاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاو میں بھی ہوتا ہے کہ جسمیں ترتیب معینہ کے موافق کل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہو سکیں تب بھی میرے قیاس

ہیں لشکر کا کل دور چھہ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا - حالانکہ لشکرگاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یوں ہیں خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں - البتہ مجھے اس جگہہ یہ بات بھی ظاہر کردینی واجب ہے کہ بھاری توپخانہ جسکو ہمیشہ بہت جگہہ درکار ہوتی ہے عموماً کل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے -

بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور وغل کا ذکر -

علی ہذا القیاس جو عجیب انتشار اور شور وغل اس لشکر میں ہوا کرتا ہے اور جو کسی تو وارد شخص کو حیرانی میں ڈالتا ہے اُسکے بیان میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے - حالانکہ آپکو اگر تھوڑی سی بھی واقفیت اس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی وقت کے ساتھہ ہر جگہہ جہاں ضرورت ہو پہنچ سکیں گے -

لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے رہنما ہونیکا ذکر -

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختص الوضع خیمے اور نشان اور وہ سورہ گاے کی دم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں - اور جو سب بہت دور سے نظر آتے ہیں - چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہو جاتے ہیں کہ بھولنے نہیں دیتے

منزل پر پہونچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے اور اُس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت پیش آتی ہو اُسکا ذکر

مگر واقعی باوجود ان سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے اور ملنے میں ایک نہایت غلط ملط اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر متنفس بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں

مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے مارے یہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی اور مختلف بازاروں اور امرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر راستہ میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسیاں جو کم درجے امرا اور منصب دار جنکے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے ہیں اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بالغرض انسداد آمد و رفت عوام اور اس مراد سے (بصورتیکہ ان کے قبائل ساتھ ہوں) کہ ان کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نہ کر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سد راہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کے نوکر چاکروں کی ایک فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو ان رسیوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لا محالہ الٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بیفائدہ سعی ہوتی رہے ہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اونٹ لدے کھڑے ہیں اور ان کے نکال لیجانے کی بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ ان نوکر چاکروں کو دھمکائیے بھی اور منت سماجت بھی کیجئے اور سمجھانے بوجھانے کے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلایئے کہ گویا تم ان کو ابھی پیٹ ڈالوگے مگر کسیکو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں سے باہم اول ایک سخت قال و مقال پیدا کر کے پھر ان کو یہ ڈرا دینا چاہیئے کہ اس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور اس طرح پر

اُن کے باہم صلح کرا کر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لیجایئے۔

شام کیوقت دہوئیں کی کثرت سے ادہر اُدہر جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُسکا ذکر۔

شام کیوقت جب کسی کام کے لئے کچھ دور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اونٹوں کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اُن کے بیحد و شمار چولھونکا دھواں خصوصاً جبکہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اس دہوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہر چند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ ادہر اُدہر بہت سا چکر اتا پھرا مگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدہر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دہوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہہ توقف کرنا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع اپنے

اکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر

گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر کی۔ یہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جسکے اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہو جاتے ہیں یہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور رات کیوقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے۔ یہ نہایت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہ دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچکر پھر اپنے ڈیرے کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر پتا لگا لیتے ہیں۔

لفظ آکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ہے اُس کا ذکر۔

انسداد دزدی کے واسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ تمام فوج کے گرداگرد پانسو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلائے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں۔ اس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقنداز بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیادہ تر خبرگیری کرتے اور شور وغل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں۔ مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نہ رکھنا چاہیئے اور رات کو اول وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کے واسطے گنجایش ہو۔

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان

اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُس نے اس موقع پر اختیار کیئے تھے بیان کرتا ہوں۔

تخت رواں کا ذکر

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے جسکو کہار اٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا تکلف چوبین بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور ملمع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کیجاتی ہیں۔ اس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سرخ

بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور ریشم کی نہایت کارا مدار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں -

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگھ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار اور باشوکت سواری ہے - کیونکہ اسکی جھول ایسی عمدہ اور ساز و سامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اُسکی زیبایش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی -

ہاتھی کے میگ ڈنبر اور ہودے کا بیان

میگھ ڈنبر روغنکاری اور ملمع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے - اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مکلف شامیانہ ہوتا ہے۔

کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ جس طرح سے چلتے ہیں اُسکا بیان

ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے اُمرا اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُسکے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح ملے جلے چلتے ہیں جنمیں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا - کوچ کے روز علی الصباح سب اُمرا باستثنا اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عہدہ ہی مقتضی اس استثنا کا ہو خیمہ عام و خاص میں جمع ہوتے ہیں اور اُس کوچ سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً اُنشکار کے دن کیونکہ اس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے -

امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طے کرتے ہیں اُسکا بیان

مگر یہ آسایش پسند اُمرا جب بادشاہ

کے ہمرکاب نہیں ہوتے تو اور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بند یا کھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوئے اور بلا دقت آرام سے سوتے ہوئے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہ سب سامان رات کو کھانا کھا چکنے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سواری کے وقت جو گرز بردار اُمرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُنکا ذکر

سواری کی حالت میں ان امرا کے گرد و پیش بہت سے سوار جنکو گرز بردار کہتے ہیں اور جن کے پاس چاندی کا گرز ہوتا ہے حسب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں بہت سے گرزبردار بادشاہ کے بھی ہمرکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے داہیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گرز بردار چیدہ اور وجیہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور جس طریقہ سے چلتا ہے اُسکا بیان

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور[51] چلتا ہے جسمیں بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی ملے ہوئے چلتے

۵۱ قور (ق و ر) بمعنی ہتھیار ترکی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلح خانہ مراد ہے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار۔ نیزہ۔ خنجر کمان جمدھر کٹار وغیرہ جیسے کہ اُسوقت مروج تھے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصبداروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سے سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں

ہیں۔ اس قور ہیں جیسا کہ مینے پہلے بیاں کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر نصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہو کر چلتے ہیں۔ جنمیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجہ اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور بعید الفہم اشیا کی شباہت کی۔

قور خانہ کے بعد منصب داروں کا جو غول آتا ہے اُس کا بیان۔

اس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں یہ لوگ اون امرا سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں۔ تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان منصبداروں کی علاوہ جنکو اپنی پہرہ کیوجہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اور بھی بہت سے منصب دار اس غرض سے شریک جلوس سواری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر رہکر کچھہ ترقی حاصل کریں۔

بیگمات کی سواری کی چیزوں اور انکی زیب و زینت کا بیان

شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جنمیں سے کسی کو تو چوڈول پسند ہے جسکو کہار اُٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جسپر ملمع اور روغن کاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور زنگار رنگ کے ریشمین خوشنما گھٹاٹوپ پڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۔ جسوقت چاہے اُن میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ رسم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دکھانے کیلئے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھہ مل جلکر چلتا تھا گو در اصل یہ کارخانے قور سے علیحدہ تھے۔ س م ح

ہوئے اور زری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں جو چوڈولوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محملوں میں جو دو مضبوط اونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں چلتی ہیں چنانچہ میں نے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محمل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہ بھی دیکھا ہے کہ محمل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دور کرنے کے لئے بیگم صاحبہ کو مورچھل کر رہی تھی بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوئے اور بڑے قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنکی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ آرایشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہ حسین اور ممتاز بیگمیں اپنے میگھ ڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک میگھ ڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگھ ڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڈول اور تخت رواں کی شان و شوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمل اسقدر دلچسپ ہے کہ اس سفر میں یہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اُسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر۔

چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا۔ یہ بیگم پیگو کے ایک نہایت عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگہ ڈنبر میں سوار ہوتی ہے جسکی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے۔ اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے میگہ ڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگہ ڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں شاہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوئے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ہوئے چلتے ہیں اور اُسکے ہاتھی کے اردگرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کئے ہوئے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لئے ہوئے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے اس مراد سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں۔ اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاوے ہٹاتے جائیں۔

بڑی بیگم اور اور بیگموں کی سواریوں کا ذکر۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً یہی سب تکلفات اُسمیں بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان وشوکت

اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ اور مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گزرتی ہیں۔

بیگمات کی سواریوں کی شان وشوکت اور دلچسپی کا ذکر۔

ان ساٹھ ستر ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور اور میگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم وحشم کا انبوہ کثیر واقع میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان وشوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے اور اگر میں ان سب دلفریب سامانوں کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی انہیں ہندوستانی کبیشروں کی مانند جو استعارے کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ یہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی خلائق کی نظروں سے پوشیدہ پوشیدہ جارہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہو جاتا۔

جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک نجانے کے باب میں ہے اسکا اور ایک اپنے پر گزرے ہوئے معاملہ کا ذکر۔

اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ کوئی متنفس ان بیگمات کے نزدیک جاسکے اور گویا محال ہے کہ وہ انسان کو نظر آسکیں بس وا ے برحال اُس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جا نکلے کیونکہ یہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اسکی خوب ہی گت بناتے ہیں۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایکبار میں بھی اس بلا میں پھنس گیا تھا اور بہزار دقت و مشکل اُس بیرحمانہ سلوک سے

نجات پائی تھی جسمیں بہت سے سوار پھنس چکے تھے - مینے یہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کئے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھانیکا - پس مینے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اسطرح پر اس قابل ہو گیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک تیز رو ندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا -

حقیقت یہ ہے کہ تمام فوج میں یہ بات ایک مثل کی طرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے - **اوّل** ہاتھی اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دولتیاں اور پشتکین بیحساب ہیں - **دویم** شکار گاہ میں جا داخل ہونے سے - **سویم** بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے - اور ایران میں تو یہ تیسری صورت سب سے بڑی ہے - کیونکہ میں سنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جاے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گانو میں ہو کر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں -

بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر -

اب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغل ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کس طرح شکار کھیل سکتا ہے - لیکن بلاشک ایک خاص صورت ہے جسکے سبب سے دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ فوج کے

ساتھ شکار کھیل سکتا ہے۔ چنانچہ وہ صورت یہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے نواح
میں دریاے جمنا کے کنارے کنارے کوہستان تک اور اُس شاہراہ کے
دونوں جانب جو لاہور کو جاتی ہے زمین کا ایک بڑا حصہ بنجر پڑا ہوا ہے جو
جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو دو دو گز اونچی
ہے ڈھکا رہتا ہے۔ اور ان سب زمینوں کی بڑی نگرانی سے محافظت
کیجاتی ہے۔ اور سواے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جنکو ہندوستانی لوگ
جال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو شکارگاہ میں
جاکر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاطاً بہ حفاظت کی وجہ سے بیشمار ہے نہیں
چھیڑ سکتا۔ جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے ضلع
کے قریب ہو کر لشکر شاہی کا گزر ہو حاضر ہو کر میر شکار شاہی کو اپنے علاقہ کے
مختلف القسم شکاروں کے حالات اور اُس جگہہ کے احوال سے جہاں
شکار بافراط موجود ہو مطلع کرتا ہے اور اُسکے اطلاع دینے پر شکارگاہ کے
ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ
قطعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں۔ یہ قطعات کبھی کبھی دس
دس میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکارگاہ سے کہ جہاں بادشاہ
شکار کھیلا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دائیں یا بائیں کو اس طرح پر بچکر
چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقت کے صرف اُس قدر امرا اور لوگوں کے
ساتھ جنکو اجازت دی گئی ہو شکارگاہ کے اندر بلا ہرج مرج داخل ہو کر بخوبی و اطمینان
تمام انواع و اقسام کے شکاروں سے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محفوظ

دوسرو رہوتا ہے۔

چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر

اب میں اول یہ بیان کرتا ہوں کہ سدھائے ہوئے چیتوں سے ہرن کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے مجھکو یاد ہے کہ مینے کسی اور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے ملک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں۔ اور اِن کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے۔

اب شکار کا طریقہ سنیے کہ ہرنوں کی ڈوڑ کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی سے گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُسکی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے اردگرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اِس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھ جستوں میں جنکی بعید القیاس سُرعت اس جانور میں مشہور ہے اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاً شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے! فی الواقع اس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی اور واجبی دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بیفائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سے بہت تیز رُو اور دور دم ہوتا ہے! چیتے بان کو اُسکے پھر پکڑ کر گاڑی پر

[1] ف ان۔

بٹھا دینے مین کچھ دقت نہیں اُٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جا کر چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈالکر اور آنکھین بند کرکے زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیاں ہوکر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب ہو کر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک نے جسکی آنکھین بند نہ تھین ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کسیکو پکڑ نہ سکا مگر لوگونکی دوت دبگ اور تعاقب سے مجبور ہو کر یہ ہرنوں کی ڈار جو پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی چیتے کے پھر قریب ہو کر نکلا تو اُس نے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ بیچ میں حائل تھے جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اس سے یہ عام مقولہ کہ "چیتا اپنے شکار پر جو اول دفعہ کی جھپٹ میں بچ جائے پھر نہیں دوڑتا" غلط ثابت ہو گیا۔

نیل گائے کے شکار کرنیکا طریقہ بہت دلچسپ نہیں ہے۔ ان کو بڑے بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج اُن کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جسوقت اُسکی وسعت بہت کم رہجاتی ہے تو بادشاہ امرا اور شکاریوں کو ساتھ لیکر اُسمین داخل ہوتا ہے اور انکو تیر اور برچھی اور تلوار اور قرابین سے مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے طور پر سب اُمرا کے لیے بھیجتا ہے۔

کونجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابل دید طریقہ ہے اور ان کی اِس جراءت کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتی کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ سے جو پھرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں دشمنوں سے جنکی تعداد دمبدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن اِن سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجاسے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اِس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہ ترکیب کیجاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہہ آکر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہ اُسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اِسکے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستاسے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اُسی آرامگاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے۔ چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُسکے ایک ہی جگہہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اَور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیوں ٹھوس دیجاتی ہے اُسی موقع پر جہاں اس قدر گدھے قربانی ہو چکے تھے باندھ دیتے ہیں اور یہ آخری دعوت بیشک اس مراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھا پیکر سکھ کی نیند سو جاسے۔ اِس کے بعد یہ تدبیر

کیجاتی ہے کہ قرب وجوار کے گنواروں کو جمع کرکے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اسی کام کے واسطے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گاے کے شکار میں کیا جاتا ہے اِن کو بتدریج کھینچ کھینچکر اُنکے دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اسطرح پر تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جسپر فولادی باکھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میر شکار اور چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گرزبردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جنکے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے لیکن شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو جال میں الجھ کر رہجاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مار کر اسکو مار لیتا ہے۔

اِسی سفر کے ایک شکار میں ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا شیر جال پر سے کود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اُسکے گھوڑے کو مار ڈالا اور اسطرح پر کچھ دیر کے لئے جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی کر کے ڈھونڈھ لیا اور پھر جال سے جا گھیرا! شیر کے بھاگ جانے کی اس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اُٹھانی پڑی یہانتک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگرداں رہے جسمیں پہاڑوں سے ندیاں اور نالے آکر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جسمیں اونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نہ تھی پس وہ لوگ

بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے! کیا اب میں آپکو اس نالائق مقام میں غیر ضروری توقف کا اصلی سبب بھی بتا دوں؟ اور لو بتائے دیتا ہوں - آپکو خوب جان لینا چاہیئے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اسکے برعکس اگر شیر بچ جائے تو بعید و نہایت بدشگونی اور سلطنت کیواسطے بڑی بدفالی خیال کیجاتی ہے اسلئے جب شیر کے شکار کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات عمل میں لائے جاتی ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جسمیں سب اُمرا حاضر ہوتے ہیں اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اُسکی لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اُسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہولیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اسقدر لنبا اور اس طرح کے قد و قامت اور جلد و پوست کا جسکے دانت اسقدر دراز تھے اور جسکے پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت بھی جو گدھے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ میر شکار نے مجھسے کہا کہ یہ تو صرف حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو یہ شکم سیری ہی اُسکی گہری نیند کا باعث ہو جاتی ہے۔

پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلونکا ذکر

یہ مینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پُل نہیں ہیں اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوسرے پلوں کے جو کشتیوں سے کسیقدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا۔ اِن پلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اُن کے سطح پر مٹی اور بھوس ملا کر ڈالدیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پاوں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ اُن کے دونوں سروں کی سلامی اور گزرگاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اس وجہ سے راستہ ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اُسمیں اتنے گڑھے پڑے ہوے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو انہیں گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اُترنا پڑتا ہے تو یہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے لیکن بادشاہ یہ تدبیر کرتا ہے کہ دریا کے وار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہیں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جا کر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اِس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر

لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بھیر سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ! مگر بہر حال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور اُن کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہونگے اور قریباً اسیقدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کی طرح اپنے اہل وعیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بیشمار ہوں کیونکہ بغیر اُن کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپہ سوار کی مانند ہے اور اسپر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گزر نہیں ہو سکتی اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہ قیاس ہے کہ یہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور کر سکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ بحد اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ اُن کے کام کاج اور گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور اُن کے لئے اسکے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا

کریں! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اس کیفیت کو پڑھکر مجھسے یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اسقدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت میں خوراک اور چارا کسطرح بہم پہنچتا ہوگا؟ اس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہونگے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع ہیں۔ جو چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اسمیں ڈال لیتے ہیں اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ نہایت تاب سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوچ کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لایق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیا کی بہم رسانی کے ذمہ وار ہوتے ہیں اور انہیں کی دکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ ان بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس کام کے لئے گانو در گانو پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُسکو فوج میں اچھے داموں پر بیچنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا عموماً یہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام

میدانوں اور جنگلوں میں جابجا موجود ہے زمین میں سے کھرپے سے کھودلاتے ہیں اور اُسکو جھاڑکر یا دھوکر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونیکے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر

بادشاہ کے حال کے متعلق ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے۔ جسکا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ لشکرگاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرا کے خیموں کے قریب سے گزرتا ہے اور اگلے دن دوسرے طرف کے اُمرا کے ڈیروں کے نزدیک سے۔

آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ یہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ اُمرا جنکو بادشاہ اُن کے ڈیروں کے قریب ہوکر گزرنے کا افتخار بخشتا ہے اُن کو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جنکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کے واسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ مینے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہ! کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شارع عام اکثر مل سکتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلئے ہم لوگوں کا

یہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کیوقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگ ڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اوراس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پَو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں اوراسطرح پربجاے دس بارہ میل کی مسافت کے جو دونوں پڑاوں میں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل روزمرہ طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط بنام مانشیور دی مریلس[۵۱] جو اُسوقت لاہور سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کی طرف کوچ کیا

پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان۔

صاحب من! یہ امر بیوجہ نہیں ہے کہ وہ ملک جسکا پاے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنہوں نے ولایت کشمیر کا محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریاے اباسیں میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانے کے قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں یہ امر معین نہیں کرسکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیوسِ فَلاَ[۵۲] کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جسکو اس ملک میں

[۵۱] Monsieur de Merrilles.

[۵۲] بیوس فلا یونانی میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور اس گھوڑے کا یہ نام اسی مناسبت سے رکھا تھا کہ اسکے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اسکے مرنے کی جگہہ یادگاری کیواسطے ایک شہر اُسکے نام پر بسایا گیا تھا ۱۲ س م ح۔

سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اُسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔

لاہور کے قریب جو دریا ہے اُس کا ذکر

وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے جیسا فرانس میں دریاے لوایر[1] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین پشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوایر کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اِس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہے جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے۔

لاہور کی عمارت کا ذکر

لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوئے کہ بادشاہ مع امراء دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اِس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالتِ ویرانی میں ہیں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دبکر مر چکے ہیں مگر ابتک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنمیں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن اِن میں اکثر مکانات بالکل ڈھے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رُخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اِس لئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہ شاہی مکانات بھی اگرچہ

[1] ل وای ر

I. Loir River

بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوئے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر۔

دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ بانتظار اس امر کے کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر راستہ آسانی سے گزر کے لایق ہو جاے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل کو ہمارا کوچ ٹھیر چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں[۵۱]۔ میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے کیونکہ میرے دوستوں نے یہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لیجانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کیواسطے جگہہ ملنی بہت مشکل ہوگی اور چونکہ اس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کے واسطے مزدور اور قلی درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی حالت میں بہت خرچ پڑتا۔ والسلام۔

چوتھا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چوتھی منزل پر لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اُسکے سبب کا بیان

صاحب من! مجھکو یہ امید تھی کہ جیسی گرمی

۵۱ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اُنیسویں رمضان سن ایکہزار بہتر ہجری کو لاہور سے کوچ ہوا تھا ۱۲ اس م ش

اپنا سے باب المندب کے قریب بمقام مخا میں اٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزان شعاعیں روے زمین پر کسی جگہہ نہ پاؤنگا۔ لیکن چار روز ہوے یعنی جب سے کہ فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہوگئی ہے۔ ہندوستانی لوگ جو اسی گرم ملک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اُٹھانی پڑیگی! تو اسکے سننے سے مجھکو ایک تعجب ہوتا تھا۔ مگر ابتو فی الواقع یہ میرا تعجب بالکل رفع ہوگیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نکریگا کہ آج صبحکو جب میں اُٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھکو زندہ چھوڑیگی۔

یہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے سے شمال کی طرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوا کے ہم تک پہنچنے کے مانع اور سد راہ ہیں! اور مزید سے بر آن اُنھیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزان شعاعیں اس قطعہ ملک پر بر سبیل انعکاس پڑکر تمام زمین کو خشک کردیتی ہیں جن سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اُسکی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چھٹی منزل سے لکھا گیا

دریائے چناب اور اُسکے پانی کی عمدگی کا ذکر۔

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جسکو "چناب" کہتے ہیں پار اُترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے اُمرا بجائے گنگا کے پانی کے جو ابتک اُن کے ساتھ تھا اپنے اپنے خرچ کے لئے بھر رہے ہیں! مجھکو یہ امید ہوتی ہے کہ اس دریا کا منبع جدھر کو ہم جا رہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کی طرف رہبر ہو گا۔ جسکی بابت سب لوگ مجھکو تسلی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاؤگے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہو جانے کی توقع نہ تھی! اور میں نے جس مراد سے یہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہو گیا! یعنی یہ کہ ہم بلا دقت و تشویش پل سے پار ہو گئے۔

جس پریشانی اور دقت سے اس دریا کا عبور کیا اُسکا ذکر۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوئے ہیں ایسی پریشانی اور چپقلش میں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دور اندیشی ہی اس امر کا باعث ہوئی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اُترنے کے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جسکا سبب یہ تھا کہ یہ سلامی جسپر چڑھنا اور اُترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بیشمار جانوروں کے پانوؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بھی جاتی تھی اور اسیوجہ سے بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے جنمیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اسپر طرہ یہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکا اور گھونسم گھانسا ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو امرا کے ہمرکاب ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیباکی سے ڈنڈے بازی کرتے ہیں! اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ مع لوہے کے تنور کے جو اُسپر لدا ہوا تھا ضایع ہو گیا ہے۔ اور اب مجھکو یہ فکر ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔

چھٹا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

گرمی کی شدت کے مارے جو حالت تھی اسکا بیان

مشفق من! ایک یوروپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمل پر آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پُر تعب منازل اور سفر کے مخاطروں میں پڑ جانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے کہ پھر کونسی چیز ہے کہ جسکے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی اِن مصیبتوں کی برداشت کے لئے تیار ہو جائے؟ افسوس کہ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو دِحی حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق کیا ہے ایک سخت حماقت و نا عاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ امید ہے تو صرف یہ ہے کہ شاید اس بُرائی میں کوئی بھلائی اور فائدہ بھی نکل آئے۔

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کئے بغیر صحن چبوترے پر سونے کے باعث شبنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور درد اعضا میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اسطرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنے کے سبب سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا اپھنا اور مرجھایا ہوا جسم گویا پانی کی چھلنی بنگیا ہے

اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ انگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے۔ چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آج دن گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جسقدر جی چاہے ہم اسیقدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط بنام مانشیو روی ہر دیلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کیوقت لکھا گیا

> گرمی کی شدت کے مارے اپنی زیست سے نا امید ہو جانا

صاحب من! آفتاب ابتک اچھی طرح نکلا ہی نہیں مگر اسپر بھی گرمی کا یہ عالم ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہ حالت ہے کہ پتا تک نہیں ہلتا میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے ان غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا! میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے اور خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کیطرح چبھتے ہیں! کل ہمارا ایک غریب سوار جسکے پاس ڈیرہ نہ تھا ایک درخت کے نیچے جسکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا

مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام ہو جاؤنگا! اور میری ساری اُمیدیں یا نوائن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جسکو میں پانی اور قند ملا کر ابھی پینے والا ہوں۔

تو اچھا خدا حافظ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

آٹھواں خط بنام مانشیور موسی مرویلس جو مقام بھمبر سے جہاں سے کشمیر کے پہاڑوں کی چڑہائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

بھمبر کیسی جگہہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور امرا کے نوبت بہ نوبت کوچ کرنے کا ذکر۔

صاحب من! آخر کار ہم بھمبر میں آ پہنچے جو ایک اونچے اور سیاہ اور جھلسے ہوئے پہاڑ کے دامن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں پتھریوں اور جلتی ہوئی ریت پر جسکو ٹھیک آگ کی بھٹی کہنا چاہیئے لگا ہوا ہے۔ اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہ کا چھینٹا نہ پڑ جاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے نیبو دہی اور مرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اس بیچارے وقایع نگار کا کیا حال ہو جاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا کسیقدر سرد ہوگئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم

ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اس خط ہی کا لکھنا ہے! اب آیندہ آپ نئی نئی منزلوں اور تکلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جاینگے۔

کل رات کو بادشاہ نے اس جگہہ کو جہاں دُم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اسکے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھنا تھہ[ملا] جو وزیر کا کام کرتا ہے۔ اور فاضل خاں میر سامان اعلی گئے ہیں! اور شب گزشتہ کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانجات خاصہ شریفیہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہو گیا ہے اور آج رات کو ہماری باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نواب دانشمند خاں کے کنبے کے لوگوں کے سوا محمد امین خاں خلف مشہور میر جملہ جسکا بہت کچھہ ذکر لکھا جا چکا ہے اور میر امعز ز دوست دیانت خاں اور اسکے دو بیٹے اور بہت سے اور امرا اور راجہ اور منصب دار شامل ہیں! اور امرا بھی جنھیں کشمیر چلنے کا حکم ہے۔ اسیطرح نوبت بہ نوبت روانہ ہونگے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جائے۔

بادشاہ کی واپس تشریف لانے تک بہت سے امرا کا حفاظت کیلئے بھمبر میں چھوڑے جانیکا ذکر مع تذکرہ بعض اور انتظاموں کے	باقی اہل دربار جیسے فدائی خاں میر آتش (افسر اعلی توپخانہ) اور تین چار

[ملا] اس بالیاقت بوڑھے ہندو وزیر نے اسی سفر میں انتقال کیا اور اسکے بعد جو بھی فاضل خاں وزیر ہوا تو وہ بھی صرف چند روز زندہ رہکر اسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا۔ س م ح (از عالمگیر نامہ)

بڑے بڑے راجہ اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک
کہ گرمی کا موسم گزر جائے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں
محافظت کیواسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اُسکے قرب وجوار میں مقیم رہیں گے
جن میں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریائے چناب کے کنارے
لگا لینگے اور بعض قریب اور گرد نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جائیں گے
اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔
بادشاہ کے ہمرکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائیں گے تاکہ کشمیر
کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے دقت عائد نہو۔
بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم
کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں - یا وہ عورتیں جنکا ساتھ ہونا سر انجام خدمات کے
لئے ضروری ہے! اُمرا اور فوج کے لوگ بھی جہانتک ممکن ہے کم ہی
ہونگے اور جن اُمرا کو ہمراہی کی اجازت ملی ہے اُنکے ساتھ اُن کے سواروں
میں سے فیصدی پچیس سوار سے زیادہ نہونگے لیکن جو ضروری عہدہ داران
کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہر حال ساتھ جائیں گے۔
اِن قاعدوں کی بجاآوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ
ایک امیر پہاڑ کے درے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو
شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیارات کے منصب داروں کی بھیڑ کو
جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے
دوکانداروں اور اہلِ بازار کو صرف کھانے کمانے کی خاطر آئے ہیں درے

میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔
چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ جانور بہت بھاری اور بڑے قدو قامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اسطرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچر بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں جو قلی درکار تھے اُنکی تعداد اور اُجرت وغیرہ کا ذکر

اور اسلئے اُن کے عوض قلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے سُنا ہے کہ صرف اسیکیلئے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ کسقدر مزدور درکار ہونگے۔ چنانچہ مجھے اپنی ذات خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروریات سے ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بلکہ بڑے بڑے اُمرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب کیا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھمبر میں جمع ہو چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب وجوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آئے ہیں۔ اور بادشاہ کے حکم سے شرح اُجرت یہ قرار پائی ہے کہ سو امن یعنی پچاس سیر بوجھ کیواسطے پچیس [25] روپیے مزدوری دیجاوے۔ اور شمار کیا گیا ہے کہ

کوئی تیس ہزار مزدور اسوقت مطلوب ہیں۔ اور جبکہ خیال کیا جاوے کہ بادشاہ اور امرا اپنا اپنا اسباب اور سوداگر لوگ اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہے ہیں تو مزدوروں کی یہ تعداد نہایت ہی زیادہ ہے۔

مصنف کا نواں خط بنام مانشیور دی مرویلیس جو ہندوستان کے بہشت یعنی کشمیر جنت نظیر میں تین مہینے کے قیام کے بعد لکھا گیا

قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے کی روایت کی نسبت مصنف کی رائے

صاحب من! کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ میں یوں مندرج ہے کہ یہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بڑی جھیل تھا جسکے پانی کو ایک بڈھے رشی نے جس کا نام کاشب تھا اپنی کرامات سے بارہ مولا کے پہاڑ کو چیر کر نکالدیا۔

یہ حال اُس کتاب میں مل سکتا ہے کہ جو جہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کر کے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جسکا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بیشک میرا دل بھی اسبات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہ طبقہ کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسے لی[۵۱] اور اَور ملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہ امر باور نہیں کر سکتا کہ یہ شگاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہ پہاڑ

[۵۱] ملک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے (س۔م۔ح۔ تھسے لی۔ تھِسِ لِی) Thessaly

جسمیں سے پانی کا گزر ہوا ہے بہت ہی لمبا چوڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی خلا میں جو سرنگ کی طرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اُس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسیطرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان

بہر حال اَب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوشنما ملک ہے جسمیں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں۔ اور جسکا طول قریب تیس لیگ یعنی نوے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ لیگ

کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان

ولایت کشمیر لاہور سے شمال کیطرف ملک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبت کے بادشاہوں اور راجہ گوماں[۵۱] کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالا مال ہونیکا ذکر۔

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُن کی بلندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں بھیڑیں۔ بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں

۵۱ گُ وَ مَ ان

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور سبطرحکے شکار اور شہد کی مہالونکی افراط کا ذکر۔

اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔ خرگوش اور سینگوں[۵۱] والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مہالیں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موذی جانورونکی کمیاب ہونیکا ذکر

اور برخلاف ہندوستان کے ایک عجیب اور نادریات سمجھی جا سکتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ ریچھ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور اُن اوصاف کے باعث اِن پہاڑوں کو صرف خوشنما اور سبزا اور بیخلش ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اُن میں دودھ اور شہد کی نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ اِن پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جنکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں معمولی ابر اور بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اور اونچی اور کوہ اولمپس[۵۲] کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

[۵۱] فرنگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں۔ اسلئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے ۱۲۔ س۔ م۔ ح۔

[۵۲] یہ پہاڑ یونان کے صوبہ تھسلی[۳] اور میسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی حظیرہ واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے جو اسکے شمال میں اور خوشنما وادی ٹیمپ[۵] سے جو اس کے جنوب میں ہے نو ہزار سات سو چون فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ اور شاہ بلوط اور اخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اسکا چٹان دار جسم کچھ آگے بڑھکر بہت سی چوڑی چوڑی کھوہوں میں منقسم ہو گیا ہے اور اسکی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمکدار چادر اوڑھے ہوئے گویا آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اولمپس کے اس عظم وشان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا

(اول سے م پ س 2 Soine ۔ س ی ن 1Olympus
ش سے م پ ۵ ۔ 5Tempe 6Jupiter

کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان ان سب پہاڑوں میں سے بیشمار چشمے اور کولین بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض عملی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیجاتی ہیں - اور اسطرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں ! اور یہ سب پانی اس دلچسپ ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بنکر آخر کار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے کے لایق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے "سین" ہے - یہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ اس ملک کے گرداگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پایۂ تخت میں سے ہو کر چپ چاپ بارہ مولا کی طرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اسکو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹ - مسکن خیال کیا تھا اور انکا یہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو جو جوپی ٹر یعنی مشتری کا دوسرا نام ہے - اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے اس جگہ تمثیلاً اندر کہنا چاہیئے اسی پہاڑ پر بیٹھ کر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پر کرتا اور اپنی بجلی کے آتشیں تیروں کو ادھر ادھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جسکو ولکن نے (جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا) اسکے لیئے یہاں بنایا تھا دیوتاؤں کو جمع کر کے سبھا اور جگ رچایا کرتا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دہاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا تھا اس جہاں کے اس طرف چلا جایا کرتا تھا - یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سر سبز اور ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اور اپنی دہاروں اور کھوؤں اور سفید سفید چمکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے فقط ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - ۱۲ س م ح -

7 Jupiter (ج و پ ی ٹ ر) (6 Jove ع دد

دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گر کر شہر اٹک کے نزدیک دریائے اباسین سے آملتا ہے

کشمیر کی سرسبزی اور کھیتوں اور ترکاریوں اور میووں کا بیان

بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں وہ اس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمام ملک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے اندر کہیں تو گانو اور مزرعے دیکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور۔ دھان۔ گیہوں۔ سن۔ زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جن میں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کولیں اور کسی جگہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور دلفریب کیفیت دکھاتے ہیں اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کار نظر آتا ہے۔ اور ہمارے ملک کے میووں سیب ناشپاتی۔ آلوچہ خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنمیں بیشمار پھل لگے ہوے ہیں لدا ہوا ہے! خربوزہ تربوز اور اور ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر وغیرہ اور اور ساگ پات اور نباتات جنسے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغچوں میں بکثرت ہیں۔

کشمیر کے میووں کے فرنگستان کے میووں سے خوبی میں کم ہونیکی وجہ

یہاں کے پھل ہمارے ملک کے میووں سے خوبی میں بلاشک کم ہیں اور نہ اتنی قسم ہی کے

ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کی طرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنے کے ہنر سے ماہر نہیں ہیں بہرحال مینے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوے بکثرت کھائے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور انہیں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر کشمیر اور اُسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان۔

ملک کشمیر کے پایہ تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اُسکے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے۔ اس کا طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑہ میل۔ شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھہ میل کے ہے۔ اور یہ پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوشگوار پانی کے "ڈل" کے کنارے جسکا محیط بارہ یا پندرہ میل سے کم نہ ہوگا آباد ہے یہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو پہاڑوں سے آگرتے ہیں۔ اور اس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جا ملتا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے دو پل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور سہ منزلے بنے ہیں۔

عمارات کے لیئے اہل کشمیر کے

اگرچہ اس ملک میں ایک نہایت نفیس رنگ دار[15]

لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب

پتھر بافراط موجود ہے اور چند پرانی عمارتیں اور ہندوں کے بہت سے پرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اسواسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ارزان ہے دوسرے یہ کہ پہاڑوں سے بذریعہ ان بیشمار ندی نالوں کے بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بنتے چلے گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے باغیچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جبکہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دیکھاتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر

اس شہر کے اکثر مکانوں میں ہی باغ اور ایسی نہریں ہیں جنمیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالک مکان جب چاہتے ہیں سوار ہوکر ڈل کی سیر کر آتے ہیں۔

ہری پربت اور اس کے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی اور خوشنمائی کا ذکر

شہر کے پرلے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے جو بالکل الگ ہے اور اسکی ڈھلانوں پر کئی خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک باغ ہے اور اسکی چوٹی کیطرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں! اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے۔ اور

ان سرسبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اس جگہ کا نام اُس ملک کی زبان میں ہری پربت ہے یعنی سرسبز پہاڑ۔[۵۱]

پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر

اس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اُس پر بھی ایک چھوٹی سی مسجد مع باغ کے بنی ہوئی ہے! اور ایک اور نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اُسکا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا یہ ادعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بوقع سیر کشمیر اُسکو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس مشہور بادشاہ[۵۲] نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہو اور میری رائے میں یہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے

کشمیر کے ڈل کے نہایت سرسبز ٹاپوؤں کا ذکر

کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت

---

۵۱ یہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہیئے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپارام صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مؤلف تاریخ موسوم بہ گلزار کشمیر نے اپنی اس کتاب مطبوعہ سن اٹھارہ سو ستر میں لکھی ہے یعنی یہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں ہاری شارک کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے بس اس پہاڑ پر شارکا دیوی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اسکا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام ہاری پربت ہے ۱۲۔ س م ح۔

۵۲ عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مُلہَم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیطرح اُن کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں ۱۲ س م ح۔

اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں۔ جن پر عموماً دونوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگائے ہوئے ہیں اور جنکے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوئے ہیں ان درختونکا موٹاپا اگرچہ اسقدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اُنچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور اُنکی چوٹی پر کھجور کی طرح ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں اُنکے منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب وہوا کا ذکر

جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُنکی ڈھلانوں بیشمار گنجان مکانات اور پھلواڑی کے باغیچے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جابجا چشمے اور کوئیں جاری ہیں! اور یہاں سے ڈل اور اُسکے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالامار باغ کا بیان

اِن سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار[۵۱] ہے جو نہایت

[۵۱] میک چند بہار نے اِس کا نام شالا مار لکھا ہے اور اِس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ شالا اور ار سے مرکب ہے جو بمعنی خانہ اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہوگیا ہے اور اسکی سند میں مرزا عبد الغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے ؎ زباغ زلف ورخ یار دادہ است فراغم - کہ سنبل سمیش کم ز شالہ مار نباشد - لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اِس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہرا یہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہیئے تھا۔ جیسے دھرم شالا - پاٹ شالا گو شالا وغیرہ! اصل یہ ہے کہ یہ صرف اس جگہہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرھویں سال جلوس میں شاہجہان نے باپ کی فرمایش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اُسکا

ہی خوبصورت ہے۔ اسمیں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کو ہے جسکے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دو رویہ نصب ہیں اور جسکا طول پانسو قدم کا ہے اور اسی میں سے ہوکر ایک ایسے مکان میں جو بالتخصیص گرمی کے موسم کے لئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں۔ اِس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچاتی ہے! اِس دوسری نہر میں بڑے بڑے ریتیلے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اُسکے ڈھالواں کنارے بھی اُسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اِس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جنکے باہم پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے اور اُن کے علاوہ اِدھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنمیں مختلف شکل وصورت کے فوارے چھوٹتے ہیں۔ یہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں۔ اِس لئے اُن کے اردگرد پانی بھرتا رہتا ہے اور اُن کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵۔ نام شالامار پڑ گیا تھا جسکو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدلکر فرح بخش نام رکھا۔ چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہان نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ دوسو وسی ۲ پر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اُسکے ایک فقرہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے "دباغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالامار بدولت واقبال در ایام فرخندہ فرجام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم" م م ح ۵ اصل کتاب میں لفظ سمرہوس ہر دس ہوس Summer House س م ح

بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں! یہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش ہے اور اِن کے دروازے جو چار چار ہیں اُن میں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھُلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پلوں کے رُخ کو جنپر سے ہو کر اِن میں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے کمرے ہیں جنمیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقش کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں! اِن کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب اور نایاب بڑے بڑے قطعات سے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو ازبس خوشنما ہیں قایم ہے۔ یہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر سے جسکو شاہجہاں نے ڈھوا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے اُنکی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کرسکتا لیکن عقیق اور سب قسم کے سنگِ مرمر سے کہیں بڑھکر ہے۔

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے — مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہو گیا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کی نسبت جسقدر اعلیٰ سے اعلیٰ میرے تخیلات اور تصورات تھے اُن سب سے یہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے۔

اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جسکا طول و عرض اتنا ہی ہو اسکی خوبیوں کو نہیں پہنچتا! اور حق یہ ہے کہ ہونا ہی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ اگلے زمانہ میں یہ اعجوبہ روزگار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤں کا تخت گاہ تھا اور تمام گرد نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سراندیپ تک اُسکی حکومت میں داخل تھا اور یہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں۔ اور محل تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اِس ملک کی خاطر علی الاتصال ایسا سرگرم رہا کہ اُس نے یہ ملک وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی نہ کسی طرح آخر چھین ہی لیا۔ اور اُس کا بیٹا جہانگیر تو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہو گیا تھا کہ اُس نے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کر لیا تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اس عظیم الشان سلطنت کا سارا ملک اگر ہاتھ سے نکل جاوے اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا۔

ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف و توصیف کے باب میں ہوا تھا۔

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعرائے کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا میں نے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اورنگ زیب کے حضور میں شعرائے مذکور نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرما کر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے!! ان قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے۔ اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان

کیا تھا کہ "وہ اُن کی عجیب بلندی ہی نے اِن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اس مقدس شکل کا بنا دیا ہے" ا اور یہ کہ "وہ خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اس ملک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کر چکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہ حصار بنا کر اس ملک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے اسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیّت اور چین چاں کی حالت میں بغیر کسی کی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کر سکے،، شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ "وہ جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُن کی چوٹیاں سفید اور چمک دار پوشاک سے آراستہ کی گئی ہیں۔ اور جو چھوٹے چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمک دار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے جسکی کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں" ا جب ہمارے نواب صاحب نے اس شاعر کے اِن نتائج طبع کو میری تفریح خاطر کیلئے مجھے دکھلایا تو مینے کہا کہ "وہ یہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہاں تک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک قرب وجوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری نگر[۵۱] مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر ادعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہ کہتا کہ دریاے گنگا اور سندھ اور چناب اور جمنا (جو خوبی اور عظمت میں

---

[۵۱] یہاں دوسری نگر مراد ہے جہاں سلیماں شکوہ نے پناہ لی تھی ۱۲ س۔ م ح۔

دریائے جیحوں وغیرہ سے جنکا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضایقہ نہ تھا اور ایسی بنیاد پر وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔[۵۱]

کشمیریوں کے ذہن و ذکا اور ہنر و فن کا ذکر۔

کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں۔ اور شاعری اور فضائل علمیہ میں بھی ایرانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ لوگ محنتی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیا کے بنانے میں جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان پیچے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں برتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جما کر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل اُتارتے ہیں کہ مینے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی۔

کشمیری شال کا ذکر

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جسنے خاصکر وہاں کی سوداگری کو چمکایا اور کشمیر کو دولت سے

[۵۱] مترجم کہتا ہے کہ شاعر کا یہ شعر کہ ؏ اگر فردوس بروے زمین است - ہمین است و ہمین است و ہمین است - کشمیر کے خوب حسب حال ہے۔

مالامال کر رکھا ہے وہ شال ہے[۵۱] جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں - اور جنکی کثرت کے باعث اُنکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے - اِن شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اُسکے دونوں پلوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈے پر جسکا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بنائے جاتے ہیں - مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب اِن شالوں کو جاڑوں میں بطور رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم پر ڈالے رہتے ہیں ! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اون کی جو ملک اسپین* کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملایم ہوتی ہے دوسرے اُس پشم کی[۵۲] جنکو توز کہا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفاست کو بیور یعنی سگ آبی کی پوستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے -

۵۱ آجکل کے زمانہ میں انگریزی سادے کپڑوں کے رواج پا جانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پوشش بہت کم ہو گئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں - لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اسکی مانگ بہت کم ہو گئی ہے جس سے کشمیر کے بیچارے شالباف بہت مفلس ہو گئے ہیں ۱۲ س - م - ح -

۵۲ ایک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اُسکو تبتی لوگ توسا ‡ کہتے ہیں جسکو اصل کتاب کے مصنف یا غالباً مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق حرف زید یعنی ز سے کے ساتھ لکھدیا ہے - ۱۲ س - م - ح - (توز) (ٹ ۂ ز)

* (اِس پ ے ن) [Spain] ‡ [ٹ ۂ س ا] Bearer

کشمیری اُن کے ریزے سے توز کی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے واسطے فرمایشی تیار ہوئی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی۔ اور کشمیری اون کی شال بننے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتے نہیں سُنی[ف۱]۔ شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا نہ دیجاے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہے ہر چند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانیکے واسطے بڑی بڑی کوششیں عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب نہ ہوئی۔ اور شاید یہ اُس ملک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری ریزے کو یہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پٹن کی جھنٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جنکو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر شوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لئے اہل فرنگ کی طرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تاتاریوں کیطرح اُنکی ناک چپٹی ہوتی ہے اور نہ سور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں ا جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبت

ف۱ ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لائق نہیں سمجھی جاتی اور فرمایشی شالیں تو ایکہزار سے لیکر دو ڈہائی ہزار روپیہ تک کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں مگر عموماً معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لیکر سات آٹھ سو تک ہے۔ پس اسوقت اور اُسوقت کی قیمت میں جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہ ہو کہ اُسوقت ایسا عمدہ اور باریک کام نہ بنتا ہو گا یا یہ سبب ہو کہ اُسوقت کی بہ نسبت چاندی کی قیمت متناسبہ کم ہو گئی ہے ۱۲ س م ح۔

کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اول ہی اول سلطنت مغلیہ میں اگر امرا دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی ملک سے اپنے لئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُسکی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جبکہ بازاریں اور دوکانوں پر ادنیٰ اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے۔

مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک مکر سے حسین مستورات کو دیکھنا۔

قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں بھی اُسی طور کا ذرا سا مکر عمل میں لایا تھا جیسے کہ مغل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافتِ اندام میں اُن کی شہرت بجا ہے چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا خصوصاً ایک ایسے ہاتھی کے پیچھے جس پر جھول اور سامان از بس مکلف پڑا ہوا تھا اور اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہاں کی مستوراتیں اُن نقرئی گھنٹوں کی آواز سنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال نکالکر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پھر ایک اور مکر اختیار کرنا

پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا

مگر آخر کار جب اِس سے بہی زیادہ ایک اور عمدہ طریق اِن کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور بڈھے مُلّا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو مینے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُس پر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کریں اُسکے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جا سکتا تھا پھر گیا۔ اِن سب گھروں میں مجھے اُس نے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابہی ایران سے آیا ہے اور بڑا استمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جوں ہیں ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اِس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھای لینے کی خاطر بلکہ اِس مراد سے بہی کہ میں اُنکو دیکھ لوں میرے گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اِس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اِس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نرہا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں۔

بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان

اب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رہ گئی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور مجھے اپنے اِس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیئے تھا۔ اِس کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب وجوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے بہم پہنچائے ہیں! پس اب بھمبر سے راستہ کا حال سنئے

کہ جو ہیں ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہمکو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے تئیں منطقہ حارّہ معتدلہ میں پا کر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان میں پہنچ گیا ہوں۔ جن پہاڑوں میں سے ہو کر ہمارا گزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ۔[۵۱] اور ضمران اور روزمیری قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں اپنے تئیں آورن[۵۲] کے پہاڑوں پاتا تھا جنمیں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے جلتے بلتے میدانوں میں جنکو ہم ابھی چھوڑکر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اِس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی ایک نہایت بین فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجہ خصوصاً اس پہاڑ کیطرف تھی جو کوہ بھمبر سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفین مختلف طور کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں یعنی جو طرف جنوب رویہ اور ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھرے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف پر تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت برابر ملی جلی ہے اور دوسری جانب زیادہ باعتبار زیادہ

---

[۵۱] ضیمران ایک قسم نازبو کی ہے۔ س۔م۔ح **Thessaly**

[۵۲] فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ح

اعتدال سے) صرف فرنگستان کی سی آب و ہوا ہے آراستہ ہیں میں
اس حال کو دیکھکر بھی نہایت متعجب ہوا کہ ادہر تو بیشمار درخت کھوہوں اور
غاروں میں جہاں انسان کو کبھی جانے کی بھی جرائت نہیں ہوتی نیچے
اوپر پڑے ہوئے سڑ گل کر خاک ہو رہے ہیں اور اُدھر اسطرح بیحد درخت
اور نئے نئے پودے اُن کی قائم مقامی اختیار کرنے کے لئے بڑی
خوشنمائی سے سرسبزی اور شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں
! میں نے لبعض جگہہ جلے ہوئے درخت بھی دیکھے مگر میں یہ نہیں کہہ
سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسری کے ساتھ رگڑنے سے
جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے درختوں میں یہ حالت
اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک
اور پُرانے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اُٹھتی تھی۔

ایک عجیب آبشار جسکے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے

خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی اور لطف سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً
ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے میں نے اُسکو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے
ہو کر کچھہ فاصلہ سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ
سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک
بڑی سیدہی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ
کان سُن ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ جہانگیر نے اس آبشار کے متصل ایک

پہاڑ کو ہموار کرا کر اُس پر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرادی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت افزا صنع قدرت کے تماشا کو وہاں سے بآرام بیٹھکر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جنکا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سِن کہنا شاید بیجا نہیں ہے۔

پیر پنجال کی چڑہائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گرجانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا

اس جگہہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغص ہوگیا بادشاہ اسوقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑہائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی تھی جن پر عماریوں اور میگہڈنبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ کی بلندی اور درازی سے خوف کھا کر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا جو اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسی طرح پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر گر پڑنے کی نوبت پہنچگئی۔ اور اب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور ڈھلواں راستے سے اپنے تئیں نکال لیں اور آخر بیخود ہو ہو کر نیچے جا گرے۔ مگر جس مقام پر یہ ہاتھی گرے تھے خوش قسمتی سے وہ جگہہ چنداں بلند نہ تھی اسلئے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ نکلی۔ یہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُس پر لادتے ہیں دبکر بیٹھ جاتا ہے تو پھر

اچھے راستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا پس ایسی خراب جگہہ میں کسطرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اُسی راستہ سے گزرے تو ہمنے دیکھا کہ بیچارے کئی ہاتھی ابتک پڑے ہوے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس فوج کو چار دن سے قطار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اِس حادثے کے باعث سخت تکلیف اُٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات بیگمات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں گزرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو بمجبوری اُسی جگہہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہہ گویا بندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے مقامات ایسے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹانا ممکن تھا اور قلی لوگ جنکے پاس خیمے اور رسد تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر میری معمولی خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہہ جا چڑھا کہ جہاں مینے اور میرے گھوڑے نے آرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

ایک بچھو کاٹنے کی عجیب حکایت مجھکو یاد ہے کہ اُسی جگہہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہمکو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جسکو ایک نوجوان مغل نے جو میرے جان بچانے والوں میں سے تھا اُسے اُٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اسکا باعث یہ بیان کیا کہ مینے اسپر قرآن کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے۔ اور اکثر بچھوؤں پر میں ایسے سچ پڑھکر پھونک دیتا ہوں۔

مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانے سے انکار کرنے کی اُس نے یہ وجہ بیان کی کہ اسکی تاثیر اُس سے منتقل ہوکر میرے میں آجائیگی جیساکہ بقول اُسکے اُسکے استاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُس نے اُس نوجوان کو یہ عمل سکھلایا تو فوراً اسکی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا۔ جب ہم پیر پنجال پر سے جا رہے تھے ہمنے اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی وسردی کی دو متضاد کیفیتیں ایک تو یہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوئے جاتے تھے لیکن چوٹی پر پہنچتے ہی ہمنے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جسکو کاٹ کر لشکر کے گزر کیواسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف خفیف برفانی بارش بھی ہو رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کیساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جنمیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اُٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا دوسری یہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی یعنی چڑھائی کیوقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کی طرف سے

چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اسکا سبب یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہوکر اُس ہوا کی پیدایش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے اور اُترائی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہوجاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُسکی جگہ لینے کو نیچے اُتر آتی ہے اور یہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہ بتانا کہ پیر پنجال پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہی

تیسری یہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُسکے مذہب سے تو کسیکو کچھہ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں عجیب عجیب طرح کی گرج۔ طوفان۔ برف۔ اولے۔ اور مینہ پیدا ہوجاتا ہے اُسکی سفید اور اُلجھی ہوئی ڈاڑہی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے سے کچھہ وحشت اور بدمزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑ طرح سے مانگتا تھا اور لوگوں کو اُن مٹی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا جو ایک بڑے سے پتھر پر اُس نے بطور قطار کے چنے ہوئے تھے اور ہاتھہ سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نہ کرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھہ غل مچاتے تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا پہنچا اور مودب طور پر اُسکے ہاتھہ پر ایک

اٹھنی رکھکر اُسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُس نے مجھسے کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور کہا یہ اورنگ زیب کی دانائی ہے جو اُسنے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ اُتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اسکا باپ شاہجہان بھی ایسے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا۔ مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں اُڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقارے اور نفیریاں بجانیکا حکم دیدیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھر اکہ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا۔

کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا دلچسپ بیان

اب میں آپکی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اس ملک کے مختلف حصوں میں کی ہے۔ شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خاں نے مجھکو اِس ملک کی پرلی حد تک بھیجا جو دار الحکومت سے ہلکی سی تین منزل ہے تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کیواسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوندھ براری کی وجہ تسمیہ اور اسکے جاری و بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اُسکے سبب کی نسبت مصنف کا خیال۔

عجائبات یہ ہیں کہ ملا مئی میں جسوقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ روز تک یہہ چشمہ فوارہ کیطرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند

ہو جاتا ہے۔ اکثر پون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض کے بھر دینے کو جو دس بارہ فرانسیسی فٹ عمق اور اسیقدر طول و عرض رکھتا ہے مکتفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد کسیقدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینا گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اور چشموں کے بلا انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اِس حوض کے کنارے پر ہندوؤں کا ایک مندر ہے جو براری دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندہ براری یعنی آب برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اِس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجز نما اور پوتر پانی نسے اشنان کریں۔ اِس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی وجہ سے اُنکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا۔ پانچ چھ روز جو مجھکو یہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو میں اِس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشش کرتا رہا چنانچہ مینے اُس پہاڑ کو جسکے دامن میں یہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُسکی چوٹی پر پہنچکر قدم قدم پر تلاش کرنے اور دیکھنے میں کوئی حصہ اُسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا۔ اُسکا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہے مگر تاہم سب سے بالکل جدا ہے۔ اُسکی ہیئت گدہے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا

اسکی ایک طرف شمال رویہ ہے جسپر سبز گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے مگر صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہو جانے کی وجہ سے اُسپر دھوپ نہیں آتی - اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پُر ہے - پس یہ حالات دیکھکر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارتِ آفتاب اسکے موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے ملکر اِس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے اور اِس بنا پر مینے اپنی یہ راۓ قائم کی کہ جاڑے کے موسم میں جبکہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی پہاڑ کے اندرونی حصوں میں رِس کر اور منجمد ہو کر اُسیطرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصہ گرم ہو جاتا ہے جسپر سب سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی درازوں میں سے دوپہر کیوقت چشمہ کی جگہہ پھوٹ نکلتا ہے اور جس وقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا تھا آفتاب کے بلند ہو جانے کے باعث سرد ہو جاتا ہے تو اُس جگہہ سے پانی کا آنا بند ہو جاتا ہے - اور پھر جب دوپہر کے وقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کی دوسرے حصہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے اُنہیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے - پھر جب آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کیوقت پانی نکلنے کا باعث ہے - مگر اِس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اُسکا باعث یہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ

کے مونہہ سے کسیقدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ کثرت اشجار کی وجہ سے تمازتِ آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے یا فقط رات کی سردی اُسکا سبب ہے کہ جسکے باعث پانی کا جریان کسیقدر سست ہوجاتا ہے۔

میرے اِن دلائل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہوجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دراڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معین طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہوجاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر کے کثیر المقدار ہوتا ہے جسکا سبب ظاہر ہے یعنی یہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہوجانا پانی کی بہاؤ میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔

> اچھبل نام ایک جوشندہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر۔

سوندہ براری سے واپسی کے وقت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھہ پل کی بھی سیر کرتا چلوں! یہ جگہہ شہر کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہان مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ بالتخصیص اس جگہہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے جسکا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہوکر اُس مکان کے گرد اور کل باغ

میں بھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں۔ اِس چشمہ سے پانی اِس شدت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اُسکو دریا کہنا چاہیئے نہ کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرد ہے یہ باغ بہت خوبصورت ہے اُسکی روشیں نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں۔ اور میوہ دار درختوں مثل سیب۔ ناشپاتی الوچہ اور زردآلو سے بھرا ہوا ہے۔ فوارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لیئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اِس جگہ ایک آبشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تیس۳۰ یا چالیس۴۰ قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بنجاتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کے وقت جب اِس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اِس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کر دیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر۔

اچھبل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہے اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جبھڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بالے نور محل (نورجہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

بارہ مولا میں ایک پیر کے ایک مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک اسی ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر

جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُنکو سنکر خوش ہوئے۔ پھر اُنہوں نے مجھسے ایک اور طرف جانے کی فرمایش کی تاکہ میں بھی اُس عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور اُن کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اُسے دیکھکر مسلمان ہو جاؤنگا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ "آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آئیے جسکا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جسمیں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر اُن کی کرامت سے ابتک بیمار اور ناتوان لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدور سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حق میں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی انگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا" میںنے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کر لیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا۔

بارہ مولا کو میںنے ایک فرحت بخش جگہہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ تو کچھہ بہت بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلف سے آراستہ تھی۔ اور اُسکے

چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگین گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانے کے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی اُنکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی متقدس کراماتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لیے ایک بخلش حیلہ بنا رکھا ہے اور اسکی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جبتک میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اَب اُس بھاری سل کا حال سنئے جو مجھے مسلمان بناتی تھی۔ مینے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندہ لیا مگر اُنکی نیچی نیچی قباوں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اٹھاتے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکاری اور ہیتہ پھیری معلوم ہو گئی اور اگرچہ یہ لوگ بڑی شد ومد سے ادعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی انگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ سارا زور لگائے بدوں وہ زمین سے نہیں

اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی انگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگائے تھے مگر باایں ہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہوگیا۔ پھر مینے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اس مقدس پتھر کے اُٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرلوں۔ یہ لوگ پہلے تو متامل ہوئے مگر جب مینے ایک روپیہ اَور نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہہ دیدی۔ کیونکہ اُنکو یقیناً یہ اُمید تھی کہ وہ اس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اس پتھر کو اُٹھا لینگے خواہ میں اپنی انگلی کی صرف ایک پور لگانے کے سوا اُسکے اُٹھا دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور اُنکو یہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُسکے اُٹھا لینے کا انتظام کرلیں گے کہ مجھکو اُن کا فریب معلوم نہ ہوسکے گا۔ مگر جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ پتھر جسکو میں بجز اپنی انگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوئے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اُسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ یہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مخاطرہ میں پڑنیکے

کے باعث خود پتھر بن جانے کے سزا کے لایق ہے تو ہینے مناسب جانکر پھر "لفظ کرامت" پکارنے میں اُن کا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک پیسر ار وپیہ اُنکی طرف اور ڈالکر اُس ازدحام سے جھٹ پٹ آنکھ بچا کر نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے ہینے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیر صاحب اور اُنکی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا۔ اس جگہہ کی آمد و رفت سے یہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جنکے بیچ میں سے گر کر تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا بنکر نکلتا ہے۔ اور جسکا اشارہ میں اس خط کے شروع میں کر چکا ہوں۔

ایک جھیل کے اندر ایک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہو کر ایک بڑی جھیل کی طرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ اِس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً مارماہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور راج ہنس اور اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اس جگہہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اُس وقت پرندوں کی اس جگہہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغچہ اور حجرہ ہے جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسیمیں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اُن ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت

کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند پُر کار اور مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑ کر ان پر ایک حجرہ تعمیر کروایا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہو کر گزرتا ہے۔

ایک چشمہ کا ذکر جو دم دے کر اُبلتا ہے اور اسکے اسطرح پر اُبلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

اس جھیل سے چلکر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جسکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ یہ چشمہ بلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ اُبلتا اور کسیقدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوتا جاتا ہے۔ اسکے پانی میں کسیقدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوئی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ اور اسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھانا اور ریگ کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور ریگ اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس چشمہ کا یہ حرکت اور سکون اسیطرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے۔ سب سے زیادہ عجیب امر جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ بولنے سے ہو خواہ زمین پر پانوں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے اگرچہ مینے دریافت کر لیا کہ اسمیں نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پانوں مارنے سے بلکہ اسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے! اور چونکہ مینے اسکے اصل

باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلئے آپکی خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھہ سکتا مگر شاید یہ سبب ہو کہ ریت اپنے ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کرکے پانی کے اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لئے پھر زور کرتا ہے۔ یا بظن غالب شاید یہ ہو کہ جو ہوا اسکے مجرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بلمحہ اوپر کو چڑہتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں میں یہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے۔

ایک جھیل کا ذکر جسمیں برف کے بڑی بڑی ٹکڑے پڑی رہتے ہیں

جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھہ چکے تو ایک اور وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جسمیں گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کی طرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

مقام معروف سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے وہاں سخت بارش ہونے لگتی ہے۔

اس کے بعد ہم اُس مقام سے ہو کر گذرے جسکو سنگ سفید بولتے ہیں۔ یہ جگہہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے۔

(۱) ایک یہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیوں کا زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے

ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے - ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اسمیں کچھہ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُس نے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کر دیئے تھے مگر پھر بھی ایسا غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُسکے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سُنکر آپ اس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرماینگے جو کوہ پیر پنجال پر مجھسے ہوئی تھی -

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں - مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میری بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکر مند اور متردد ہیں اسلئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا -

کشمیر کے قرب و جوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان -

جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خیالات اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں - اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب و جوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دیسکتا ہوں - مگر بہر حال جو کچھہ مینے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں

وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنے کے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو اَب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن و جمال اور پاک دامنی اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھکر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زردآلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اسکا خراج بھی چمڑے اور اون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوجاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گزاری کے بھروسہ پر ادائے خراج سے انکار کر بیٹھتے ہیں لیکن سرکاری فوج ہمیشہ جاکر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہ بھی سنتا ہوں کہ دُور دُور کے پہاڑوں میں جو اَب کشمیر کے باج گزار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ و سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذو نادر ہی باہر جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہانتک تحقیق ہوسکتا ہے کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اَب میں وہ حال بیان کرتا ہوا جو چند روز ہوئے مجھسے ایک بڈّھے

نیک مرد نے کہ جسنے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگاں کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہ بڈھا بچکر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخرکار وہ ایک خوشنما چھوٹے سے ضلع میں جا نکلا جہاں اُسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار لگا دیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لیکر حاضر ہوئے کہ آپ ان میں سے کسیکو پسند فرمالیں تاکہ اس ملک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُسکی ویسی ہی آؤ بھگت ہوئی لیکن شام کے وقت کی تواضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھکر اور یہ مال اندیشی کرکر کہ لڑکیاں تو آخرکار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائینگی اپنی جوروئیں پیش کیں۔

چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اُسکی زبانی ملک تبت کے یہ حالات معلوم ہونے کا ذکر

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُسکے فرماں روا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑے بڑے تنازعے ہو رہے تھے جنمیں سے آخرکار ایک شخص[۵] نے جو حکومت و ریاست کا دعویٰ دار تھا

[۵] عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مراد خاں" لکھا ہے۔ س م ح۔

پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہو گیا کہ جو مدد درکار ہو دیجائے - چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض جویدار توقتل ہوئے اور بعض بھاگ گئے اور اسکو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کسیقدر بلور مشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کرسکتا! ہمارے نواب نے اس غرض اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کرسکیں - چنانچہ اُس نے ہم سے بیان کیا کہ بڑی تبت میری ریاست کی خد شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نوّے ۹۰ یا ایکسو بیس میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور مشک اور پشم یہ اشیاء بہم پہنچتی ہیں - مگر میں چنداں متمول نہیں ہوں اور لوگوں کا یہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے - اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ اُسکے ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتے ہیں خصوصاً خربوزہ جو کسی قسم کا ہوتا ہے - مگر کثرت برف کے باعث جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بت پرست تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں - چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں - اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ دو سترہ اٹھارہ برس گزرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبت کو جسپر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے

بعد سولہ دن کے ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہان کے لوگوں میں ایسی ہل چل ڈال دی تھی کہ بیشک تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اوتر کر اُسیوقت جرا ءت کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی مگر چونکہ موسم مخالف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر اِس فوج کا حاکم تھا اس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دبلے اور اِس مفتوحہ قلعہ میں کسیقدر سپاہیوں کو اسلیے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر یورش کروں گا مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اِس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی تسخیر آیندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا۔

بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کیخدمت میں حاضر ہونیکا اور جو تحائف وہ لایا تھا اُنکا اور اُسکی ذلیل حیثیت کا ذکر

چونکہ اُس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری سنکر اپنے ایک سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بلور۔ مشک۔ سنگ یشب اور سُرہ گاے کی سفید اور عمدہ دُمیں دیکر جو بالتخصیص اُسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبایش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا ہے سنگ یشب جو اِس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اِسی جہت سے بیش قیمت ہے۔ دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں

اِن کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اسمیں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے برادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہی پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے ہیں - چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں سنہری تار اور جواہرات جڑے ہوے ہیں-

اِن جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس[12] بارہ[12] لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوے سڑیل پیادے - جنکے موںھہ پر چینیوں کی طرح ڈاڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوے تھے جیسے کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان وشوکت بھی اِن ٹوپیوں ہی سے خیال فرمایئے اور مجھے یاد ہے کہ اُن میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے -

سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے اداے خراج اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہدو پیماں کرنا -

الغرض اِس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دارالریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی جہاں اہل اسلام کے طور پر نماز ہوا کریگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا - اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جایا کریگی - مگر اس میں

کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل نہ کیا جائیگا اور رئیس تبت شرائط عہد و پیمان کو اُس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے اُس عہد کے شرائط کو بجا لایا تھا جو شاہجہاں اور اس رئیس کے باہم ہوئے تھے[۵۱] -

۵۱ عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس ولدن نمجل بڑی تبت کے "زمیندار" یعنی راجا کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بنوا کر شعائر اسلام کو رواج دو تو بہتر تمہارا ملک و مال بحال رہیگا ورنہ فوج کشی کیجائیگی - چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اُسکے پاس بھیجا گیا جس کا ولدن نمجل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیو رکھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک عریضہ جسمیں بہت سے عجز و نیاز اور وفاے عہد کے وعدے تھے مع ایک طلائی کنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جسپر بادشاہ کا سکہ لگایا تھا مع اور اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کرکے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے بامراد سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی - اسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اسطرح پر درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہہ ایک مہینہ کا راستہ ہے - اسکے مغرب میں کشمیر - کمایوں - سری نگر - بہار اور بنگالہ اور مشرق میں ملک ارتنگ اور خطا اور شمال اور تبت خورد اور کاشغر اور تمام مغولستان اور جنوب رو دشت قبچاق سے ہے اور یہاں کے راجہ کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلماق قوم کے لوگ ہوتے ہیں - س - م - ح -

سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما گرو اور مسئلہ تناسخ کا ذکر

اس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لامایین سے ہے - لاما[۵۷] - لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے

[۵۷] بودھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشوائے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا دارالحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں لاسا کے بڑے لاما کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے اور جب کبرسن کے باعث اسکا جسم بوسیدہ ہوجاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے - لیکن یورپین سیاح اسکی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مرجاتا ہے تو اسکے کارپرداز مخفی طور سے کسی ترت کے پیدا ہوئے لڑکے کو لاما کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں - اور اسکو ایسے طور پر پالتے پوستے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاما دن کیوتت کی بتانے لگتا ہے اور اسکے ناواقف اور جاہل پیرو اسکو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کرلیتے ہیں - کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ء میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لاما کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے لکھتے ہیں کہ اسوقت جو لاما تھا اگرچہ اسکی عمر صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کیوقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر انکی طرف متوجہ رہا - صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کرے - جب صاحب موصوف کا چائے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاما ناک بھوں چڑھا کر سر کو ہلا کر چیختا اور اپنے نوکروں کو اور چائے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اٹھا کر اپنے ہاتھ سے انکو دی - لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اس کے مردہ جسم کو سکھا کر اور چاندی سے منڈھ کر مندر میں پرستش کے لئے رکھدیتے ہیں -

(ماخوذ از جام جہاں نما) س - م - ح -

طریقے کے برخلاف ان میں ایک گروہ بھی ہوتا ہے جسکی تعظیم و تکریم صرف ملک لاساہی میں نہیں بلکہ کل تاتاریں ہوتی ہے اور اُسکا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا۔ اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور میںنے ہرچند چاہا کہ وہ اُسکو بیچڈالے مگر اُس نے نہ دی۔ اس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا۔ ہم نے اُس سے اُس خط کی ابجد لکھوائی مگر اُس نے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث ہمنے اسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُس نے عجیب و غریب حکایتیں سنائیں جنہیں سے اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ ایکبار جب بڑا لاما بہت بڈھا ہوگیا اور اسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُس نے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچے کے قالب میں حلول کریگی چنانچہ اُس بچے کو جسکی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھہ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُسکے روبرو رکھی گئیں اور اُس نے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کردیا۔ یہہ حکایت اس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنے کو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص ہنسی کے طور پر اس قسم کا بیان کر رہا ہے لیکن پھر معلوم ہوگیا کہ نہیں فی الواقع اسکو اس روایت کی صحت پر پکا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات کو گیا اور وہ ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لئے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیت سے مجھے مکمل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبت ہمارے ملک کے ساتھ ہمسری نہیں کر سکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُسکی مراد کون سے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہو گیا کہ جو وقت اُسکی ملاقات میں صرف ہونا ناحق ضایع ہوا کیونکہ میں نے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی قادر نہ پایا۔

کشمیر سے تبت ہو کر چین کے راستوں اور اشیائے تجارت وغیرہ کا بیان

بیس برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاروان جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور ملک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اُترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزرنا صرف ایسے بلے بلے رسوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وار پار بڑے بڑے پتھروں سے بند ہے رہتے ہیں[۵۱] یہ قافلے چین سے

[۵۱] جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کو

مشک - چوب چینی - ریوند - اور مامیران - جو امراض چشم کے معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے - جب یہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبت میں ہو کر گزرتے تھے تو اس ملک کے تحائف بھی مثل مشک - بلور - سنگ یشب اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے دجسکو ان اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں بیور کے مشابہ ہے بھر لاتے تھے - مگر جب سے شاہجہاں نے بڑی تبت پر حملہ کیا ہے وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہاں تک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پاوے - یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بستا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبت کو بائیں ہاتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱ خوف ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پار اترتے ہیں - جھولا اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسے برابر برابر باندھ کر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جنکی چوڑان اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کے واسطے دونوں جانب برابر رسیاں باندھ دیتے ہیں - لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک رسا ہوتا ہے اس کنارے سے اُس کنارے تک بندھا ہوا جسمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک چھینکا لٹکا دیتے ہیں اور اسمیں مسافر کو بٹھاتے ہیں - اس چھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں ایک رسی کا سرا اس کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اُس طرف کے مسافر کو اس کنارے والا اور اس طرف کے مسافر کو اُس کنارے والا اپنی رسی سے کھینچ لیتا ہے - س - م - ح

چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کاشغر کا بیان اُس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کاسکر کہتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو اُس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہ سنکر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں اُن کا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور اِن دونوں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبت میں کو ہے مگر اِس سبب سے کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں۔ پہلا شہر جو ہمکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اُسکا نام گورچی ہے جو توابع کشمیر میں سے عین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے گورچی سے چلکر ہم آٹھ روز میں اسکردو* میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دار الریاست ہے اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر[۵۱] میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اُس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں

۵۱ یہ مقام مع اپنے متعلقہ علاقہ کے بالفعل مہاراجہ صاحب والی جموں و کشمیر کی عملداری میں ہے اور گورچی اور چیکر غیر معروف مقام ہیں مگر چیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہمکو شگر بتایا تھا اور فی الحقیقت ایک مستند انگریزی نقشہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورچی کی صحت کچھ معلوم نہیں ہو سکی علیٰ ہذا القیاس جو رسندہ وغیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا ۱۲ س م ح۔

(اسکردو۔ اس ک ر دو) (چیکر۔ چ ے ک ر) (شگر۔ ش گ ر) (ر ج ڈ ر)

سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جورکسندہ میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کی طرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے۔

کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان۔

ان سوداگروں نے یہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لیکر جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے ملک ازبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہو کر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تاجروں نے مجھسے یہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اور مشکلات کے ایک جگہہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر چلنا پڑتا ہے۔

ان اطلاعوں کے نا مکمل ہونیکی بابت مصنف کا عذر

مشفق من۔ یہ کل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جہل رحم کے قابل

ہے ۔ پس جو حالات اور جو کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلاشک قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہ ہیں!

علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں۔

مسٹر تھیوی نٹ[۵۱] صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیے ختم کر دوں اور میں دہلی واپس پہنچنے تک آپ سے بالکل رخصت ہوں لیکن میرا شوق تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ فرصت بھی ہے اسلئے میں مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جان کاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت اُن لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں ہونے کی بابت	اُن کا پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ سچ ہے کہ یہودی ایک بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بود و باش کرتے ہیں اور

[۵۱] Theuenot

آیا اُن کے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں - اور اگر ہے تو اُن کی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں -

دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت	دوسرا یہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوئے ہیں !

میں اُن کی خدمت میں لکھ بھیجوں -

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کی بہاؤ کے باب میں	تیسرا یہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طور کے انضباط اور انتظام معینہ کے موافق ہوا وٗں کا

اهتزاز اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی رائے اور خیالات ظاہر کروں -

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور دولتمندی اور خوش نمائی کے باب میں	چوتھا یہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولتمند اور خوشنما ہے جیسا کہ عموماً خیال

کیا جاتا ہے -

پانچواں سوال دریائے نیل کی طغیانی کی بابت -	پانچواں یہ کہ دریائے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو ردو قدح

چلی آتی ہے میں اسکی نسبت ایک قطعی رائے پیش کروں -

جواب تھیوی نٹ صاحب کے پہلے سوال کا	اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیوی نٹ صاحب

کو ! میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے پائے جانے کی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں

جنکو شال[۵] مینے سر نے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلاتے ہیں کہ گو بظن غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان۔ البتہ چین میں غالباً اس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ مینے اپنے پادری صاحب مقتدائے فرقہ جیسوئیٹ کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں اس فرقہ کے ایک پادری صاحب باشندہ جرمنی مقیم شہر پیکن دارالسلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جنمیں وہ لکھتے ہیں کہ دو میری اس شہر یعنی پیکن میں یہودیوں سے گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عہد عتیق

[۵] توریت میں اس شخص کا نام سلما[۱]نعسار آیا ہے۔ مگر انگریز مورخ "شال مینے سر" یا "شال منی زر" لکھتے ہیں ایہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اسکا پایۂ تخت تھا اس نے سات سو انیس برس قبل از سنہ عیسوی ملک یہودا کے بادشاہ ہوشاع[۲] پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا مگر بت پرست ہو گیا تھا چڑھائی کی اور اسکو اپنا باج گزار بنا لیا۔ لیکن پھر یہ سنکر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اسکے شہر شومرون[۳] کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اسکو فتح کر لیا اور ہوشاع اور اسکی تمام قوم کے لوگوں کو قید کر کے بابل میں لے آیا اور ان کی جگہہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کر کے آخر وہ بھی اس دنیا سے چل بسا (ماخوذ از ناسخ التواریخ وانسائیکلوپیڈیا برطانیکا) س۔م۔ح

(Shalmaneser (شَ اَلْ مِ نے ِ زِ سے سَ رْ)

[۱] (سَ لْ مُ اَ نَ عْ سَ اُ رْ) سلما نعسار

[۲] (ہُ وْ شَ اَ عْ) ہوشاع

[۳] (شُ وْ مُ رُ وْ نْ) شومرون۔

اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُن کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسویٹ[+] کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاکان[51] مقرر کرلیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سُور کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں" بہر حال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجال سے گزر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھکر مجھے حیرت ہوئی۔ اُن کی صورتیں اور اُن کے طور و طریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خو بخود شناخت اور تمیز کرسکتا ہے سب یہودیوں کی پرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائے گا۔ اِن دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور اَور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے[52] دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔ تیسرے۔ یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں

---

51 اس لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی مگر شاید خاقان ہو جس سے اس جگہ پیشوا اور امام مراد ہو۔ س م ح

+Jesuit

52 کرنل جارج فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی! لکھا ہے کہ "جب پہلی پہل میں نے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو ان کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ طور کا ہے اور اُنکی داڑھی کی وضع سے یہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے ملک میں آگیا ہوں" مترجم انگریزی۔

آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر اُنہیں نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے یہاں لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔

پانچویں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اُسکو آجتک تخت سلیمان کہتے ہیں[۵۱]۔

مشفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بُت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہوگئے ہونگے! اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوا اور کوچین[۵۲] کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں

[۵۱] تعجب ہے کہ ایسی بے سروپا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اور پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آئے ہیں۔ س م ح۔

[۵۲] مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ضلع مالابار میں ہے۔ س۔ م۔ ح۔

کہ اتھوپیا[ف۱] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا[ف۱] کیطرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس سے وہاں ایک یہودی ایسا زبردست ہو گیا تھا کہ اس نے ایک دشوار گزار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خودمختار ریاست قائم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تھیوی نٹ صاحب کے دوسرے سوال کا۔ ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُسکی اصلاح کے واسطے یہ معقول انتظام کر دیا ہے کہ جولائی میں جب گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستا رہتا ہے اور اسطرح پر ہوا میں اسقدر اعتدال آجاتا ہے کہ برداشت کے لائق ہو جاتی ہے اور زمین بھی ناقابل زراعت نہیں رہتی۔ مگر یہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں ہوتیں کہ ضرور اُسی دن یا اُسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً دہلی میں جہاں میں دیر تک رہا ہوں مینے دیکھا ہے کہ ایک سال کی بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ

[ف۱] ملک نوبیا یا نوبہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔ م۔ ح۔

(Ethiopia اِتھیوپی آ) (Nubia نُوبی آ)

بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ مینے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک بوند بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جدہر دیکھیے بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی۔ اس بات کو بھی لحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس ملک کے مختلف حصوں میں برسات اُسیقدر آگے یا پیچھے اور کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جسقدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب یا ابعید ہیں۔ مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لیکر جزیرہ سرانڈیپ تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہو جاتی ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی۔ مگر دہلی اور آگرہ میں نہ تو اسقدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اسقدر مدت تک رہتی ہے اور اکثر یہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوہیں خالی گزر جاتے ہیں یا یہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی۔ میں خصوصاً اس بات کو دیکھکر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف سے مینہ آتا ہے۔ مثلاً دہلی اور اسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ کی طرف سے بارش آتی ہے۔ اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر جنوب کی جانب

ہے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کی طرف سے - مینے ایک اور
بات بھی دیکھی جسکی نسبت تمام ہندوستان میں بلا اختلاف ایک ہی
راے ہے یعنی یہ کہ جسقدر گرمی کی تپش پہلے یا پیچھے شروع ہوتی ہے
اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے اور تھوڑے دنوں یا دیر تک
قائم رہتی ہے اسیقدر برسات بھی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور اسی
نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت عرصہ تک جاری رہتی
ہے اور بلحاظ ان امور کے مجھے یقین ہے کہ زمین کی گرمی اور اُس کے
سبب سے ہوا میں جو خفت آجاتی ہے وہی ہندوستان میں بارش
کا سبب ہے - اور یہی دونوں چیزیں بارش کو اس ملک میں کھینچ لاتی
ہیں - یعنی آس پاس کے سمندروں کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف
ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے میں جذب کرکے پُر ہو جاتی ہے جو گرمی
کی شدت سے پانی میں سے اُٹھتے ہیں اور قرب وجوار کی ہوائیں
جب اُسکو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہوکر
اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں کی ہوا اُسکی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن
اور کم مزاحم ہوتی ہے اُن بخارات سے خالی کر دیتی ہے اور اُسکا اپنے
کو ان بخارات سے خالی کرنا اُسیقدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے
ہوتا ہے جسقدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے
پڑتی ہے - اِس تقریر میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا
خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع ہوتی

کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اسکے خاص باعث ہونگے جنکا تحقیق کرنا غالباً اُس ملک کے دیکھنے کی حالت مین شائد مشکل نہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں بلحاظ سمندروں یا پہاڑوں کے اور بہ مناسبت اُن کے ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور جنگل سے پُر ہونے کے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی سے پڑتی ہے۔ اور یہ بات بھی کچھہ تعجب کی نہین ہے کہ بارش مختلف اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو سمندر پاس ہوگا اُسی سے مینہہ آئیگا۔ چنانچہ ساحل کارومنڈل کے پاس جو سمندر ہے وہ اس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمندر جو ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کیطرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ مینے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی مین بادل مشرق کی طرف سے آتے ہیں مگر اُنکی اصل انہیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے جنکی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک مین جا برستے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو۔ میں ایک اور بات بیان کرنی بھول گیا جسکا مجھکو دہلی میں تجربہ ہوا۔ یعنی یہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تا وقتیکہ کئی دن تک بہت سے بادل مغرب کیطرف نہ جالیں۔ گویا یہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے پچھم میں ہوا کا طبقہ اول بادلوں

سے بھر جاوے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل ہو کر اُن کو ایسا کثیف اور وزنی کر دیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

جواب تھیونٹ صاحب کے تیسرے سوال کا

جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں کبھی ایک آدہ روز اپنا رخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اسکے بعد کوئی دو مہینے تک بیقاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور ڈچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ دو مہینے ختم ہو جاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رخ جنوب سے شمال کو کر لیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمت رکتا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ مین بدستور شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جہاز رانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں بجز جنوبی ہوا کے موسم کے اخیر حصہ کے جہاز رانی کرنا بہت آسان اور خوش آیند اور بلا اندیشہ ہوتا ہے پس

آپکو اس بات سے متعجب ہونا نہیں چاہیئے کہ ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فن جہازرانی سے محض ناآشنا ہیں خاصے لمبے اور مفید بحری سفر اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناسرم (دھناسری) اچین۔ ملاکا۔ سیام۔ اور میڈی گاسکر۔ کو یا مچھلی ٹپن۔ سراندیپ جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر اسپر بھی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں اٹکے رہنے کی حالت میں باد مخالف سے مغلوب ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ صورت بعض وقت فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جنکے جہازوں کی حالت اور ساز و سامان بہت بڑھکر ہیں۔ دونوں وسطی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اسمیں طوفان اور ناگہانی جھوکے اکثر آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہے اور یہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تند اور غیر مساوی ہوتی ہے مجھے اس موقع پر یہ بات بھی بیان کر دینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیر فرنگستانی جہازوں کے کپتانوں اور ناخدایوں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے

کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی ٹپن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جا نکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرائے جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا - پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے -

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی باعث کے معلوم کر لینے کی قدرت ہوتی! اگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کر لینا انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو رائے مینے قایم کی ہے اُسکی بنیاد چند خیالات پر ہے - چنانچہ خیال اول تو یہ ہے کہ جو ہوا ہمارے کرہ کو گھیرے ہوئے ہے سمندر اور دریاوں کے پانی کی طرح اُسکو بھی ہمارے کرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں چیزیں اسکی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں -

جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ چیزیں ہمارے کرہ سے علیحدہ نہیں ہیں اور پھر اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہ کرہ ہوا پانی اور مٹی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے! اسکے بعد دوسرا خیال یہ ہے کہ ہمارا یہ کرہ ایک ایسے خلا میں لٹکا ہوا اور تلا ہوا ہے کہ جسمیں خالق نے اپنی مرضی سے اسکو ایسے طور سے رکھدیا ہے کہ اگر یہ کسی اور نامعلوم جسم سے ٹکرا جاوے تو اپنی جگہہ سے باسانی سرک سکتا ہے! پھر تیسرا خیال اس طرح پر ہے کہ جب آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب مثلاً قطب شمالی کی طرف

حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُسطرف ڈالتا ہے تو قطب شمالی کو کسی قدر دبانے کے لئے کافی اثر پیدا کرتا ہے اور قطب شمالی اسیقدر دبتا جاتا ہے جسقدر کہ سورج اُسکی طرف بڑھتا جاتا ہے - اسی طرح جس قدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اُسیقدر قطب شمالی بتدریج ابھرنے لگتا ہے - یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہوجاتا ہے - اب اگر ان خیالات کو صحیح فرض کر لیا جاوے اور اسکے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور کیا جاوے تو ہندوستانیوں کا یہ قول بیوجہ نہیں ہے کہ سورج اپنے ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے کیونکہ اگر یہ بات سچ ہے کہ آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوے زمین کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو دب جانے کا باعث ہوتا ہے تو اسکا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جاوے اور سمندر اور ہوا جو دو سیال اور وزن دار جسم ہیں نشیب کیطرف بہنے لگیں! پس میرے نزدیک اس بات کا کہنا درست ہے کہ سورج کسی قطب کی طرف جا کر اُسطرف کو سمندر اور ہوا کے بڑے اور باقاعدہ بہاو کا باعث ہوتا ہے اور ہوا کے اس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا ہوتی ہے - یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوائیں دو مختلف رفتاریں پیدا ہوتی ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قیاس کی بنا پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بڑے بالعکس بہاؤ ہیں - اور اگر

اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر رہوتا جو فرنگستان میں ہوکر گزرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی دو باقاعدہ رفتاریں پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہیں - اور اس قاعدہ کے عام نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانے کے سبب سے سمندر کا بہاؤ رُک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی جذرو مد اُن سمندروں میں جو بحیرۂ شام کیطرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں رُک جاتا ہے اور اس خیال کے اعتبار سے میری رائے میں یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہوا کی بھی دو بڑی اور بالعکس رفتاریں ہیں - اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتاریں بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتیں -

جواب تھیونٹ صاحب کے چوتھے سوال کا -

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے - بلکہ حال کے مورخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اَور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ قدرتی سامان موجود نہیں ہیں -

مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالہ کا حق ہے -

بنگالہ کے چاول اور اوسکے نکاسں کا بیان۔	بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو

جاتا ہے۔ چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیپ اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے۔

بنگالہ کی کھانڈ اور اُسکے نکاس کا ذکر	اسیطرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گول کنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہ بہت کم پیدا ہوتی ہے اور

مخا اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران کو جاتی ہے۔

بنگالہ میں جو مربے بنائے جاتے ہیں اُن کا ذکر۔	بنگالے کے مربے بھی مشہور ہیں خصوصاً اُن مقامات کے جہاں پرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربے

بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی بڑے بڑے چکوتروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئیدگی کی جڑ کا جو شب کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور اننناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور نیبو اور ادرک کا مربا بناتے ہیں۔

مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کے کم پیدا ہونے کا ذکر	یہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو

مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گزران کرتے ہیں اور روٹی کبھی ہی کھاتے

ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

ترکاری اناج اور کھانیکے جانوروں کے بنگالہ میں کثرت سے ہونیکا ذکر۔

اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسیقدر ارزاں ہیں۔ بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سور تو اتنے سستے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریباً تمام سور ہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سستا جانکر انگریز اور ڈچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آبسنے کا ذکر۔

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت سے پرتگیز اور دوغلے یورپین اور اور عیسائیوں نے جنکو ڈچ لوگوں نے اُن کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقہ جیسوئٹ اور اگسٹین[۹۵] کے لوگوں نے جنکی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا دقت عمل میں لا سکتے ہیں مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہوگلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک

[۹۵] Augustine

عیسائی بستے ہیں اور اس ملک کے اور حصوں میں تو انکی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے - اور اس ملک کی زرخیزی اور عورتوں کے حسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز - ڈچ اور انگریز لوگوں میں یہ بات زبان زد کر دی ہے کہ دو بنگالے میں داخل ہونے کے واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لئے ایک بھی نہیں "

بنگالہ میں روئی - ریشم اور سوتی اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر -

بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ و لائق تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالے کے برابر کوئی ملک نہیں ہے - اور علاوہ اس قند و شکر کے جسکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے - اور جسکو قیمتی لایق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اس ملک میں روی اور ریشم بھی اسقدر ہوتا ہے کہ اس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے - میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگدار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا جنکو خصوصیت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں - اور یہی کیفیت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے - جس قدر روی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم

کرنا ناممکن ہے۔

مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا۔

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران۔ شام۔ صیدا[۱]۔ اور بیروت[۲] کا لیکن یہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ چھانٹ لیا جاوے اور احتیاط سے صاف کیا جاوے تو اس سے نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں کا ہونا

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور اسیقدر انگریزوں اور اور سوداگروں کے کارخانوں میں۔

بنگالہ کے شورہ کا ذکر

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور گنگا کے راستے سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دساور کو جاتا ہے اور ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگالہ کے گوند۔ افیون۔ موم وغیرہ دوادن اور گھی کا ذکر۔

اس زرخیز ملک سے گوند افیون۔ موم۔ مشک بلائی۔ لگھہ پیپل اور اور بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور گھی جو آپکو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو بھیجے جانے کے واسطے ایک بڑی جنس تجارت کی چیز ہے مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے۔

[۱-۲] ملک فلسطین اور شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س م ح) ص سے دا۔ ب سے رو ست

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب وہوا کے مواقع نہ آنے اور اس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر۔

لیکن یہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈچ اور انگریز لوگوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور بندرگاہ بلاسور میں وہ خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھیرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملاحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کہیں کو جا سکیں! لیکن اب یہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہوگئی ہے۔ جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ ان کے آدمی شراب کو پنچ[۵] بنا کر نہ پئیں (جو قندی شراب اور لیموں کے عرق اور پانی اور جائفل کو ملا کر بناتے تھے۔ اور جسکا ذائقہ گو بہت اچھا تھا مگر نتیجے مہلک تھے اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب اور تمبا کو بیچنے والوں سے نہ ملیں۔ لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شرابیں۔ ان کو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب ہوا کے اثر سے بچنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

بنگالہ میں راج محل سے لیکر گنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کیلئے توت کے درختوں کی کثرت کا ذکر

اس ملک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہئے

[۵] شراب کے اس قسم کے مرکب کو جو بغرض تفریح تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں ۱۲ م ح

کہ اس ملک میں جو دریا سے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریا سے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجانے میں آسانی ہوا اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ ان نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گانوں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور ایکھ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور انکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر۔

لیکن بنگالے کو اُن بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریائے گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہہ چھہ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اِن ٹاپوؤں کی وسعت کم و بیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور اناناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی اِن میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان

کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنکا ذکر اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں سے نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز مہرلون اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے پیر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی - چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریاے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُتر پڑنا پُرخطر ہے - اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جاوے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیئے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ خونخوار جانور جب لوگ سوئے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس ملک کے ملاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیجاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو -

پیپلی سے ہوگلی تک دریا میں مصنف کے ایک سفر کرنیکا ذکر

مجھے وہ نو دن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے پیپلی سے ہوگلی تک اِن جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا - کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو - اِن جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریاے پیپلی سے نکلکر دس پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہمنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کار سپ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں -

کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر

اور جنکے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن[ھ] مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا ۔ مینے اپنے آدمیوں سے کہا کہ کشتی کو ان کی طرف سے لے چلیں اور مینے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو کے بل اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی تھیں اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم لوگوں نے چوبیس[۲۴] مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیں اور دیکھا کہ ہر ایک کے موتہہ سے ایک پھکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کہ کارپ[ھ] مچھلی کے ہوتا ہے اور اُسمیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اسکا سر اسرخی نما رنگ کا ہے ۔ مینے آسانی سے معلوم کر لیا کہ یہی پھکنا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں دیتا ۔ مگر یہ بات بالکل میری سمجھہ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹک رہا تھا ۔ لیکن شاید یہ سبب ہو کہ ڈالفن[ھ] مچھلیوں نے دیر تک ان کا

[ھ] صاحب فرہنگ رشیدی نے اسکا تلفظ دُلفین لکھا ہے اور اُسکی عادت جو ظاہرا ایک افسانہ ہے یہ لکھی ہے کہ ڈوبے ہوے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اُسکی اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوں کی تعریف میں لکھا ہے "مچھلی بازو کی ماہی دُلفین ۔ غرقہ کش بحر خون سے مردم عین" اور کتاب مخزن الادویہ میں اسکی نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ "اسم یونانی است و بعضے گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک است کہ بعربی خنزیر البحر و بفارسی خوک ماہی و ماہی بینی دراز و بہ دیلمی گجہ ماہی و بہندی سُوس نامند" اور انگریزی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ لفظ لٹین زبان کا ہے اور انہوں نے اسکو ایک قسم وھیل مچھلی کی لکھا ہے اور وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہ مچھلی اچھلنے کودنے لگتی ہے جس سے ملاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس باعث سے اسکو انسانوں کا دوستا کہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ قریب المرگ ہوتی ہے تو گرگٹ کیطرح اپنا رنگ بدلنے لگتی ہے ۔ س ۔ م ۔ ح ۔

Carp + Dolphin * Whale

نکل پڑا ـ مینے اس امر کا ذکر سیکڑوں جہازرانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا ـ البتہ ایک فرنچ ملاح نے مجھسے کہا کہ چین کے کنارے پر جبکہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو مینے بھی ایک ایسی ہی صورت دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا ـ

مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا

اگلے دن ہم کچھ دیر کر کے ان جزیروں میں پہنچے اور ایک ایسی جگہہ پسند کر کے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اتر پڑے اور آگ روشن کر لی اور مینے اپنے نوکروں کو کہکر دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کر لیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا ـ اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں ـ مینے پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا ـ اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم بڑی نہر میں سے اسمیں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے ٹہنے سے باندھ کر رات بسر کی ـ اور جبکہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو مینے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا ـ یعنی ایک قمری قوس[۵۱] قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت متعجب ہوئے

۵۱ قمری قوس قزح کو بعض ہمارے اس زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب نامہ دانشوراں میں (جسکو علما و فضلا کی ایک کمیٹی نے بحکم ناصر الدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرے کے طور پر تالیف کیا ہے (وہ خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے) ابن بطلان طبیب کے تذکرے کی ذیل میں لکھا ہے

ہوئے خصوصاً دو پرتگیز جو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی رہنما تھے اور جنکو
مینے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ چڑھا لیا تھا۔
اُنھوں نے کہا کہ ہمنے ایسی قوس کبھی دیکھی نہ سنی!

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷ - کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ سن بارہ سو انہتر ہجری میں جبکہ ہم وبا کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع امامہ میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب ماہ تھی اور خفیف سا ترشح ہو رہا تھا آدھی رات کے وقت جو میں ایک کام کے لیے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند اُفق کے قریب ہے اور اسکے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے - چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی نہ تھا مجھکو نہایت حیرت ہوئی اور مینے امیر زادہ محسن میرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور شمس الشعرا سروش - اور جناب نصیر الدولہ میرزا عبد الوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے ساتھ تھے جگا کر دکھایا اور وہ بھی متعجب ہوئے اور پھر مینے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے اسکا اُنکو یقین نہ تھا - اسکے بعد میں نے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھکو نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا - مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ اسکی تحقیق کا خیال تھا پھر مینے علم طبیعات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ حکمای فرنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے - چنانچہ کتاب فزیک[۱] کانو کا مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے ایکدوسرے سے کم متمیز ہوتے ہیں اور ایک کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ ماہ ستمبر ۱۷۹۶ء میں شہر شوٹر میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی ۱۲ س - م - ح -

[۱] (فزیک کانو - فِ زِیْ کْ کَ اَنْ وْ) (فزیک راکن - اِ اِ زِیْ کْ رَ اْکِ نْ) (شوٹر - شْ وْ ٹَ رْ)

تیسرے دن ہم اِن نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمکو بعض پرتگیز جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ ہمکو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرتگیز رفیقوں نے جو شب گزشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر ہر وقت آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح پھر دکھائی جیسی کہ ہمنے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپکو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں! نہیں میں ہالے کو خوب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا نہیں ہوتا جسمیں اکثر چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے۔ لیکن ہالہ اُسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق سے بہت بلند ہو چنانچہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی۔ چنانچہ جب کبھی مینے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں۔ اور چاند قریباً پورا اتھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی! ور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اُسمیں نمودار تھے۔ پس آپ دیکھتے ہیں کہ میں متقدمین کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے ارسطو کے قول کے بموجب

اُسکے زمانے سے پہلے قمری توس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا۔

مصنف کا اپنے اس سفر میں رات کو عجیب و غریب روشنیوں کا دیکھنا

چھوتھے روز کی شام کو معمول کے موافق ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہہ میں چلے آئے اور وہاں ہمنے ایسی رات کاٹی جو معمولی طور کی نہ تھی! ہوا نام کو بھی نہ تھی! اور گرمی اور گھمس کا یہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا اور آس پاس کی جھاڑیوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی! اور ہر لمحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملاحوں کو ڈراتی تھی جنکو یقین تھا کہ یہ سب جن بھوت ہیں۔ ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشین گولا جو اُسقدر عرصہ سے جو دعائے پیٹر ناسٹر[۵۱] کے پڑھنے میں گزرتا ہے زیادہ دیر تک قایم رہا! دوسرا ایک چھوٹا سا درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک رہا۔

پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا۔

پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گزری! ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہہ میں ستھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر لنگر کا رسا ٹوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں بہ تگیر ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈالکر اُنکو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے

[۵۱] عیسائیوں کے رومن کیتھلک فرقہ کی ایک دعا کا نام ہے۔ س م ح Paternoster

تو بالضرور ہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مر جاتے - کیونکہ ہندوستانی ملاحوں سے جن پر بالکل خوف چھا رہا تھا کسی طرح کی امید نہ تھی - اسوقت ہماری حالت بڑی ہی دردناک تھی ! مینہ اس شدت سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گر رہے ہیں - اور بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اور اسقدر تھی کہ ہم اُس ہولناک رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے - ! مگر ہمارا باقی سفر ایسی عمدگی سے گزرا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا -

نویں روز ہم ہوگلی میں پہنچے اور اس خوشنما ملک کو دیکھ دیکھکر جس میں سے ہمارا گزر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں - مگر میرا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے بھیگ گئے تھے اور مرغیاں مر گئیں - اور مچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ مینہ سے تر ہو گئے تھے -

جواب تفیوی نٹ صاحب کے پانچویں سوال کا -

میں نہیں جانتا کہ میرا اس پانچویں سوال کا حل قابل اطمینان ہوگا یا نہیں - لیکن جو رائیں میں پیش کرونگا وہ باعتبار اسکے ہیں کہ میں نے دریائے نیل[۵۱] کی طغیانی کو دومرتبہ دیکھا ہے اور اپنی تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان

---

[۵۱] اس غرض سے کہ دریائے نیل کے منبع وغیرہ کی بابت مصنف کے بعد کے زمانے میں جو تحقیقاتیں عمل میں آئی ہیں اس مضمون کے ساتھ ناظرین اُنکو بھی پڑھ لیں ہم تاریخ مصر میں سے جسکو سینٹیفک سوسائٹی علیگڈھ نے ڈاکٹر ولسن صاحب کی تاریخ اقوام قدیم میں سے انتخاب کرکے باضافہ بعض مفید مضامین اور حاشیوں کے ۱۸۶۴ء میں چھاپا تھا عبارات ذیل نقل کرتے ہیں - س م ح -

دریائے نیل کی طغیانی کا بیان

مصر میں دریائے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے - اُس ملک میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے - مگر اس

میں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اس مشہور و معروف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ - دریا کی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے - اور مینہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اُسکا بدلا یہ دریا دیدیتا ہے - کیونکہ اور ملکوں کی بارش کو بطور محصول کے جمع کرکر مصر میں پہنچا دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے شعر عجیب طرح کی تھیں مصر کی چراگاہیں + کہ عین قحط میں بارش کی وہاں نہ تھی پروا - اس فیض رساں دریا سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے لئے مصریوں نے زمینوں کے اندازہ پر اور مناسب مناسب موقعوں پر بیشمار نہریں مناسب مناسب عرض و طول کی بنائی تھیں اور اُن کے ذریعہ سے دریائے نیل اپنی فیاض دھاروں سے ہر جگہ کو زرخیز کرتا تھا نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جاتے رہنے سے گویا اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا - اور دریائے قلزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا تھا اور اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دشمنوں سے بھی ملک محفوظ تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ دریا مصر کا مربی اور اُسکا بہت بڑا محافظ ہے - مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنے تھے اور چوطرف پانی بھر جانے سے جزیروں کی طرح دکھائی دیتے تھے پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے اُن میدانوں کو دریائے نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے -

دریائے نیل کے مخرج کا بیان

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریائے نیل کا مخرج اُن پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں - تقویم البلدان میں بو علی سینا کا یہ قول لکھا ہے کہ دریائے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے - مگر یہ پرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریائے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں - سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزن ہے اور دریائے نیل کی لمبان سے دو گنے سے بھی زیادہ لمبا ہے - دریائے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا عربی جغرافیہ

شخص[۱] کو حاصل نہ ہوئی ہوگی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب اور مطالعہ کی زور سے اس دلچسپ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲- کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہوسکتا اور جو کچھ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہ تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمالی میں اسکا منبع ہے اور اس سبب سے متقدمین کی تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبان کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریاے نیل نکلتا ہے ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے جسکا نام گویام ہے اور مملکت ابی سینا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے مخرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں اور کپتان اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا مخرج دریافت کرنے کو افریقہ میں گئے۔ اخیر سفر اُن کا ۱۸۵۹ع میں تھا اُنھوں نے اپنے سفروں میں عین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی اور وکٹوریا نینزا اُسکا نام رکھا اُنکے نزدیک وہی جھیل درحقیقت دریاے نیل کا مخرج ہے جنوبی سرا اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی کے واقع ہے۔ جو گویا سرا دریاے نیل کا ہے۔ اس حساب سے دریاے نیل چونتیس ۳۴ درجوں کی لمبان میں یعنی دو ہزار تین سو میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کی طرف آوتوکیٹنگول نامی ایک دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریاے نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اُسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کے سیاحوں سے اُنھوں نے تحقیق کیا کہ وہ گلی مانند جار و کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پہاڑی ملک ہے پانی کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریاے نیل نکلتا ہے اس جھیل کے شمال مشرق کو اور جھیل ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا مشہور ہے کہ وہاں ایک آبنائے ہے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس پچھلی جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے جسکا نام آسنوہ ہے اور تخمیناً سوا تین درجہ عرض شمالی تک بہکر دریاے نیل

[۱] مسٹر تھیوی نٹ سے مراد ہے۔ س- م- ح-

مسئلہ میں ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

مصنف کا دہلی میں شاہ اتھوپیا کے سفیروں سے دریائے نیل کے حالات کا دریافت کرنا۔

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ جب اتھیوپیا کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلومات حاصل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳۔ بیں مل جاتا ہے۔ وکٹوریا نینزا جھیل کے شمالی کنارے میں سے تین دہاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دور بہکر سب آپسمیں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریاے نیل ہو جاتا ہے۔ اینین سے مشرقی دھارا اس طرح پر نکلی ہے کہ جھیل میں سے ایک حصہ پانی کا شمال کیطرف نکلا ہے اسپیک صاحب نے اُسکا نام نپولین چینیل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے کیونکہ فرانسیسی جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی نے اسکا حال تحقیق کرنے کے صلہ میں اُنکو سونے کا تمغہ دیا تھا۔ اُس چینیل سے ایک بہت بڑی چادر پانی کی نہایت زور شور سے جسکا عرض چار سو پانسو فٹ تک ہے گرتی ہے اور وہ بہکر دریا کی دہار بن جاتی ہے۔ کپتان اسپیک صاحب نے اس چادر کا نام رائپن رکھا ہے۔ کیونکہ وہ دریاے نیل کے مخرج کی تحقیقات کو روانہ ہوئے تو انگلستان کے جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی کے پریزیڈنٹ رائپن صاحب تھے! کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک جوکچھ ضروری امر متعلق جغرافیہ درباب تحقیق مخرج نیل کے تھے وہ پورے ہو چکے ہیں۔ مگر اکثر محققین کے نزدیک ابھی اَور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریاے نیل کی آبشاروں کا بیان

جن مقاموں میں کہ دریاے نیل سخت پتھروں میں ہوکر زور سے نیچے گرتا ہے اُنکو آبشار کہتے ہیں ملک مصر میں آنے سے پہلے یہ دریا اتھیوپیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے اور رفتہ رفتہ تمام رکاوٹوں سے نکل کر اور چند پہاڑیوں سے گزر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اُسکی آواز نو میل پر سے سنائی دیتی ہے۔! اس ملک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہوگئی ہے اُن لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جنمیں بہ نسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے! ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں اُن میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی اُلیچتا جاتا ہے۔ بہت

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے اُنکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں بلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ اور اس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴ - دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اُٹھا کر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دہار پر لیجاکر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اُسمیں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشا دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے اُن لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے اُسکے نیچے جاکر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دہار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک بہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دہیما ہو جاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیان سنیکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیاح بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانہ کے لوگوں نے مثل ہیروڈوٹس اور ڈیوڈورس اور سیکوس اور سنیکا صاحب کے دریائے نیل کی طغیانی کے باریک سبب بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ پرانی باتیں اور صرف نا تحقیق خیالات تھے حال کے زمانہ میں کچھہ زیادہ التفات کے لایق نہیں رہے۔ اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اتھیوپیا میں جہاں سے یہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو اسقدر طغیانی ہوتی ہے کہ اول اتھیوپیا کو اور اُسکے بعد مصر کو غرقاب کر دیتا ہے اور یہی دریا اس بارش کے سبب سمندر بنکر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے۔ بڑے بوصاحب کہتے ہیں کہ متقدمین کا صرف یہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اتھیوپیا میں کثرت سے بارش ہونیکے سبب ہوتی ہے لیکن اس قیاس پر وہ یہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُسکو اپنی آنکھہ سے دیکھا ہے چنانچہ ٹولیمی فلیڈ لفس یعنی بطلیموس ثانی بادشاہ مصر نے جو علوم اور فنوں کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیجکر اس امر کو تحقیق کیا تھا۔

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیروڈوٹس صاحب اور اسیطرح ڈایوڈورس اور سیکوس صاحب اور اور بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی وہ جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے

نواب صاحب کی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵ - اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے - اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے - اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اسی پر اسکی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اتھیوپیا کی بارش ہے جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے - اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف خیر یا ستمبر کے نصف اول تک برابر بارش رہتی ہے اسلئے مصر میں دریاے نیل کا چڑھاؤ تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ابی سینا میں بارش شروع ہونے سے ہوتا ہے - سیاحوں کا قول ہے کہ دریاے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے - مگر اول نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونیکے قریب تک بھی اسمیں طغیانی نہیں ہوتی - ہیروڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اسکے بعد جو تین مہینے آتے ہیں انہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے - اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس ایک طرف ہیں اور سٹرے بو صاحب اور پلے نی صاحب اور سولینس صاحب دوسری طرف ہیں - یہ تینوں صاحب دریاے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تیس مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں میں سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ پلے نی صاحب اپنی راے کی بنیاد ہیروڈوٹس کی گواہی پر قایم کرتے ہیں -

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلے نی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریاے نیل ٹھیک ٹھیک چوبیس فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے - جبکہ اُسکا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو ملک میں قحط سالی ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے - اور جبکہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرق کا اندیشہ ہوتا ہے شہنشاہ جولین نے ایک چٹھی موسومہ ایکڈیشسس مورخہ بیسویں ستمبر ۳۶۲ء میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی بائیس فٹ لکھی ہے - دریاے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی میں باہم متقدمین کے اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے - مگر بہت سا تفاوت بھی

دریاے نیل کے منبع کی بابت اتھیوپیا کے سفیروں کا بیان

چنانچہ علاوہ اور باتوں کے ہمنے اُن سے دریاے نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ آبا بائیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنہوں نے کہا کہ اِسکے منبع کا حال تو ہر کسی کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶ - اُن میں نہیں ہے - اور اُسکے سبب یہ ہونگے ! اول یہ کہ اگلے زمانہ کے اور زمانہ حال کے بیانوں میں شاید کچھہ تفاوت ہو جسکا دریافت کرنا مشکل ہے - دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو - تیسرے یہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جسقدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُسکے چڑہاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے جو کہ مصر کے ملک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اسلئے مصریوں نے اُس کے چڑہاؤ کے تمام حالات کو اور اُسکے مختلف درجوں کو بخوبی غور کیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدہ امتحانوں سے جو بہت سے برسوں میں ہوئے تھے خود دریاے نیل کے چڑہاؤ سے یہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں چڑہاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی - مصر کے بادشاہوں نے شہر ممفس میں ایک ایک پیمانہ لگایا تھا اور اُسپر دریاے نیل کے چڑہاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے - اور اُن درجوں پر حساب کر کے تمام ملک مصر میں اطلاع دیجاتی تھی کہ اُنکی فصل میں کیا نقصان آویگا یا کیا فائدہ ہوگا - سٹرے بو صاحب کہتے ہیں کہ اسی مطلب کے لئے شہر سیئین کے قریب دریاے نیل کے کنارے پر بھی ایک کنوان بنا ہوا ہے - آجتک یہ رسم شہر قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک مسجد کے صحن میں ایک مینار ہے اور اُسپر دریاے نیل کے چڑہاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے ہیں - شہر کے ہر گلی کوچہ میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریاے نیل میں اسقدر چڑہاؤ ہوا ! زمین کا خراج جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے اُسکا تصفیہ نیل کے چڑہاؤ پر منحصر ہے جس دن دریاے نیل کا چڑہاؤ ایک معین بلندی پر پہنچ جاتا ہے اُس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کیجاتی ہے اور آتشبازی چھوٹتی ہے - اور آپسمیں دعوتیں ہوتی ہیں - اور جو باتیں ہر طرح کی خوشی میں ہوتی ہیں وہ سب کیجاتی ہیں - قدیم زمانہ میں بھی دریاے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کیجاتی تھی - اس لئے کہ اُس ملک کی خوشی اور آسودگی کی بنیاد یہی دریا ہے - اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ جو بت پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دیوتا سراپس کا سبب جانتے تھے اور جس مینار پر اُسکے چڑہاؤ درجوں کے نشان لگے ہوے تھے اُسکو اُس مندر میں مقدس سمجھکر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے اس مینار کو وہاں سے اٹھا کر اسکندریہ کے گرجا میں لیجانے کا حکم دیا - اسپر مصریوں نے یہ مشہور کیا کہ سراپس دیوتا کی خفگی کے سبب دریاے نیل میں کبھی چڑہاؤ نہیں آنے کا - دوسرے سال دریاے نیل

خوب معلوم ہے اور اُسکی نسبت کسیکو کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو اُنہیں کے ساتھہ ہندوستان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷ - میں معمولی قاعدہ پر چڑھا وآیا شہنشاہ جولیس مرتد نے جو بت پرستی کا مربی تھا اس مینار کو اُسی مندر میں بھجوا دیا مگر شہنشاہ تھیوڈوشیئیس نے پھر اسکو وہاں سے اُٹھوا منگایا۔

نیل کی نہروں اور پانی کے کھینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خدا تعالیٰ نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رسان دریا دیا تھا مگر اُسپر بھی یہ نہیں چاہا کہ وہان کے رہنے والے سُست اور کاہل ہوجائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اُٹھائیں۔ یہ بات از خود معلوم ہوسکتی ہے کہ دریاے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کرسکتا تھا اسلئے بہت سی محنت و مشقت زمین کے پانی دینے میں کیجاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہہ پانی پہنچانے کے لئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریاے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے۔ اُن میں نہرین بنائی تھین۔ اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لئے کھولی جاتی تہیں جو دیہات کو بہت دور دراز فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے اُن میں بھی پانی پہنچانے کے لئے نہریں بنی ہوئی تھیں۔ اور اسطرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریاے نیل ایک معین حد پر نہ چڑھ جاتا تھا۔ اُسوقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور وہانوں کے کھولنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے پانی لینا شروع ہوجاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جانا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا۔ بموجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوے تھے اور جسمین سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بخوبی پہنچ جاتا تھا جن ضلعوں میں کہ دریاے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اسقدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جسقدر پانی جون اور جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اُسکا دسواں حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا۔ مگر باوجود اسقدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اسلئے بیچدار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچا دیتے

کو واپس آیا تھا اُسکو دیکھا ہی تھا اُنہون نے کہا کہ دریاے نیل کا منبع اگوس۵۱ کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸ - تے اُن کلوں کو بیل پھراتے تھے اور پانی نلوں میں جا کر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا - ڈیوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آرکی میڈیز صاحب بطریق سیر کے مصر میں گئے تو اُنہون نے لوگوں کے لیے یہ کل ایجاد کی تھی -

مصر کی زرخیزی کا بیان جو دریاے نیل کے سبب سے ہوتی ہے

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف دریاے نیل کا باعث ہے اور دریاؤن کا یہ دستور ہے کہ جب اُنکی روز میں پر بھر جاتی ہے تو وہ ریت دیجاتی ہے یعنی زمیں کی مٹی جسکے سبب زمین نم رہتی ہے بہ جاتی ہے مگر برخلاف اُسکے دریاے نیل اپنی رو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہا لاتا ہے - اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جسقدر کمزور ہوجاتی ہے پھر اتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو ملک میں ہل چلانے اور زمیں توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی - جب دریاے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اسکے کہ زمیں کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہگئی ہے اسکو الٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملا کر اسکے مزاج کو معتدل اور اُسکی قوت کو کمزور کیا جاوے اَور کچھہ کام کرنا نہیں پڑتا - اسکے بعد بہ نہایت آرام سے اسمین بیج ڈالدیا جاتا ہی اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھہ خرچ کرنا نہین پڑتا - دو مہینے میں سب زمینین پھول پھل کر سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریاے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ واپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے ‌‌‌‌‌‌مصر کی زمینین فصلی اور جو فصلی ہیں - یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزین بوئی جاتی ہیں - پہلی دفعہ کھیرا کا ہو بوکر کاٹ لیتے ہیں اسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی طپش بہت ہوتی ہے اور مینہہ بہت کم برستے ہیں اگر اس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بناکر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں کی زمینین جلد خشک ہو جاتین اور ایسی

---

۵۱ اگوس اگ ڈ س Agows

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکلکر اول تو کوئی تیس یا چالیس قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بنجاتی ہے اور پھر اسمیں سے نکلکر یہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اس کے بعد راستہ میں اور بہت سے ندی نالے ملجاتے ہیں اور ایک دریاے ذخار بنجاتا ہے - انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا

دریاے نیل اپنے مخرج سے جدا ہو کر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہو کر مصر میں پہنچتا ہے اُس کا بیان -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹ - شدت گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتین دریاے نیل سے مویشی کی پرورش میں بھی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھ کم مدد نہیں ہوتی - مصر والے اپنے مویشی کو نومبر کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں - لفظوں میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ اُن چراگاہوں کی زرخیزی کا بیان اُن میں ادا ہو سکے - مویشیوں کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آیند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدت میں بہت تازہ اور فربہ ہو جاتے ہیں جن دنوں میں کہ نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کٹی اور گھاس اور جو اور مٹر کھلا کر پرورش کرتے ہیں -

مسٹر کارنیل لی برون صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معین موسم میں اتھیوپیا میں اسقدر مینہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دیکر نہال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی - اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور ریتلی زمین کو دنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنا دیتا ہے - ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور مشرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریاے نیل کا پانی رُکا رہے اور جلدی سے بہ کر سمندر میں نہ چلا جاے اگلے لوگوں نے بھی اس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا

ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا[1] میں اسکے منبع سے صرف چار یا پنج منزل اور گونڈار دارالحکومت اتھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اِس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی یعنی بربرستان[2] جو شاہ اتھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر سینار میں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آنکلتا ہے۔

اتھیوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیئے۔

جب یہ سفیر دریاے نیل کا منبع اور اسکی کیفیت بیان کر چکے تو مینے اُس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اس دریا کا یہ منبع ہے پس مینے پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کونسے حصہ میں واقع ہے۔ لیکن اُنہوں نے بجز اسکے اور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھکو یہ تقریر سنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رخ کریں۔ مگر بہر حال اُس مسلمان سفیر نے یہ امر بار بار بیان کیا

[1] ڈیمبیا ڈ ی م ب ی ا Dembea گونڈار گ و ن ڈ ا ر Gondar فنجی ف ن ج ی Fungi

[2] بربرستان ب ر ب ر ی س Berberis سینار س ی ن ا ر Senaar

بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے - پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریاے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے - نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس[۵۱] نے قرار دیا ہے - اور ہمارے نقشوں میں جنوب ہی میں درج ہے -

[۵۱] بطلیموس - اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قلودیس لکھتے ہیں یہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آرہا تھا - لکھا ہے کہ جب اس نے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ ہوگئی تو ریاضیات کی طرف اسکو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہ آذریانوش کے عہد میں جو اڈریان قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اسکو شغل تھا - یہاں اس نے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لیے رصدخانہ بنایا - اور متقدمین علماے اہل ہئیت خصوصاً ہپارکس (ابرخس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جنسے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہ پہلا شخص ہے جسنے اصطرلاب وغیرہ آلات رصدی ایجاد کیے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہ راے ہے کہ ہپارکس ان کا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل معمول بہ ہیں اُن کی تصحیح اور توضیح توفی الواقع اسی نے کی تھی - چنانچہ اس نے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیسرے مقالہ کی آٹھوین نوع میں خود لکھا ہے ! اس کتاب کی برابر اس فن میں آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی - چنانچہ نامور مسلمان علماے ہئیت فضل بن یحیی تبریزی و محمد بن جابر و ابوریحان خوارزمی جنہوں نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں جس قدر انہوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اسیقدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا - اس کتاب کے تیرہ مقالوں کا ترجمہ اول چند یونانی علمانے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحیی بن خالد برمکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر ۱۷۰ ہجری مطابق سن سات سو چھیاسی

ب ط ل ی م و س Claudius ک ل ا ڈ ی س ٹ و ل ے م ی Ptlemy
آ ذ ر ی ا ن و ش Adrian (اڈریان) ہ پ ا ر ک س Nipparchus (ا ب ر خ س) (م ج س ط ی)

اتھیوپیا کی بارش کی نسبت اُن سفیرون کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکی تعلق کا ذکر

ہمنے اُن صاحبوں سے یہ بھی دریافت کیا کہ اتھیوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہ کہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اَور طرح اُنھون نے جواب دیا کہ بحر احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو[1] اور جزیرہ مَصُوعْ سے لیکر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جلیسی کہ مخا میں ہوتی ہے جو اس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اس ملک کے اندر کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲ - عیسوی سے سن ایک سو تاسی ہجری مطابق سن آٹھ سو دو عیسوی تک وزیر . . . خا یونانی سے عربی زبان مین کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اس نے ابو حَیان[2] اور ایک اَور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنھون نے نہایت عمدگی سے اِس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرہ اور اسحاق نے اُسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب سن بارہ سو تیس کے بھی عربی ترجمہ سے یہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی - بطلیموس نے اس فن میں ایک اور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حنین[3] بن اسحاق نے اُسکی اصلاح کی - غرض بطلیموس متقدمین ہیئت والون کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو مکمل کر کے ہمارے لیے چھوڑ گیا - اِسکے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جسکا بڑا اصول یہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلمہ حال کے جو نظام فیثاغورسی کہلاتا ہے جسمین آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے مارینس[4] باشندہ شہر ٹائر[5] کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی[6] نے عربی مین ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اُسکا ترجمہ ہوا - جواب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اسی نے قائم کئے اگرچہ اسکا یہ کام مکمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نئے جغرافیہ بنانے والوں کے لئے بڑا مفید ہے اور متن مین بطلیموس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے - یہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اُسکی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے - اسکی وفات اٹھتر برس کی عمر میں سن دو سو نو عیسوی میں واقع ہوئی - (ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کا) س م ح

(۱) آ رُ کِ یْ کُ Arkeeko (۲) اَ بُ وَ حَ یّ اِ نْ (۳) حُ نَ یْ نْ (۴) مَ اُ رِ یْ نَ سْ Marinus. (۵) ٹَ اَ ءِ رْ Tyre (۶) کَ نْ دِ یْ -

طرف مملکت ٹیمیبا کے صوبہ اگوس ہیں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے اُن دو مہینون میں بہت بارش ہوتی ہے جنمیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں دریاے نیل طغیانی پر آتا ہے۔ اُن سفیروں نے کہا کہ ہمکو خوب معلوم ہے کہ دریاے نیل کی طغیانی اور اس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھیوپیا کی بارشیں ہیں۔ اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو دریاے نیل بہا کر یہان لا ڈالتا ہے۔ انہون نے کہا کہ اِنہیں حالات کی وجہ سے شاہان اتھیوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہو گئے اور وہان کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل ہو گئی تو شاہ اتھیوپیا نے چاہا تھا کہ دریا کا رخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جاے اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہو کر یہ ملک برباد ہو جاتا۔ لیکن یہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مطلق عمل میں نہ آیا! اِن تمام باتوں سے میں بمقام مخا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ گونڈار کے رہنے والے دس بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھیوپیا کیطرف سے ہر سال اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آے ہوئے جہازوں کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگو ون کا موقع ملا تھا۔ اور جو معلومات مجھکو اُن سے حاصل ہوے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں۔ کیونکہ اُن سے بھی دریاے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب اُسکے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر ہوتی ہیں۔ لیکن تاہم میں اپنے

ذاتی مشاہدوں کو جو اِس دریا کی طغیانی کے وقت مجکو دو مختلف اوقات میں ہوے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور ان سے آپکو ظاہر ہو جائیگا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسو جہ سے پھنسے ہوے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیر ہو جاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال۔

چنانچہ منجملہ اُن توہمات اور تخیلات کے میری مراد اس جگہہ بہ تخصیص اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہان کے لوگون کا یہ اعتقاد ہے کہ دریاے نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرے یہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جسکو گوٹ[1] کہتے ہیں۔ طغیانی کے اول ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اِسکے شروع ہوتے ہی دبای طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا! چوتھے یہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہو گیا کہ یہ مشہور دریا بھی مثل اَور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہ کہ اسکی طغیانی اس سبب سے وقوع میں آتی

(۱) گَ وٗ ٹ Gout

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھا کر اسکی طغیانی کا باعث ہو جاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ مینے دیکھا کہ طغیانی کے اُس متخیلہ دن سے قریب ایک مہینا پہلے ہی یہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑہا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت مین بہ رہا تہا۔ اور مینے یہ بہی دیکھا ہے کہ جب یہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کہولے جاوین یہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑہتا ہے۔ اور بعد ازان بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑہنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑہتا یا اُترتا ہے جسقدر کہ اسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہ حالت بعینہ ہمارے دریائے لوائر کی سی ہے جسکا چڑہاؤ اور اُتار اسی نسبت سے ہوتا ہے جس قدر کہ بارشین اُن پہاڑون پر ہوتی ہیں جہان سے یہ نکلتا ہے۔

طغیانی کے متخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں	اُس دن سے قریب ایک مہینا پہلے جبکہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس

سے واپس آتے ہوئے میں ڈیلٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جورات بھر پڑی تھی تر ہو گئے تھے۔

شبنم کے گرنے اور وباے طاعون مین جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اُسکا ابطال	گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا[۵۱] (یعنی رشید) مجھے اپنے وائس کانسل (یعنی

[۵۱] اُن بیس سے ٹا Viceconsul Rosetta

نائب وکیل) مانشیو ردی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے کا اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ جن میں سے دو تو آٹھویں دن مرگئے اور تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن[1] صاحب ہی تھے شاید اس بیماری سے جاں بر نہوتا اگر میں جرأت کر کے یعنی اُس شبنم کی متخیلہ تاثیر کے بھروسہ پر نہ رہکر اُن کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا۔

خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر۔

اس موقع پر خود مجھکو بھی یہ متعدی بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی یعنی سرمہ کا جوہر[2] استعمال نہ کرتا تو میں بھی مرجاتا۔ اور یہ بات ثابت ہوجاتی کہ گوٹ کے گرجانے کے بعد بھی آدمی وبا سے مرجاتے ہیں! اس ستے لانے کی دوا نے جو مینے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نہ رہا۔ ایک میرا بدوی[3] نوکر جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھارس بندھانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تامل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے کے بعد اس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے لیکن میری غرض یہ ہے کہ اس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے

(۱) دی برمن ب دوئی Monsieur de Bermon
(۲) بٹر آف انٹی منی Butter of antimony

منسوب نکرنا چاہیے کیونکہ میری رائے میں بیماری کم ہو جانیکا سبب گرمی کی وہ شدت ہے جو اُن دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہے جس سے مسامات کھلکر وہ سب مضر اور وبائی رطوبتیں جو جسم میں بند تھیں خارج ہوجاتی ہیں۔

ملاحوں معروف برسٹے کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے

علاوہ بریں مینے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے بھی جنکو "ریز"[1] کہتے ہیں اور جو دریاے نیل پر مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی جٹالوں اور ابشاروں تک سفر کر آئے تھے دریافت کیا تو اُنہوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہ دریا مصر کے میدانوں اور اُس زمین جو شور اور پُرجوش بیان کیجاتی ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے اور ان آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پر لاتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں کی زمین ظاہرا شور نہیں ہے۔

سینار کے حبشیونکے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے

میں نے ہوشیاری کے ساتھ سینار[2] کے حبشیوں سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے ہیں اور جنکا ملک دریاے نیل کے کنارے پر اُن کوہستانی قطعات میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اتھیوپیا کا باجگزار ہے تحقیق کیا تو اُنہوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جسوقت دریاے نیل مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا ہے۔ اور اسکا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو نہ صرف ہمارے پہاڑوں میں ہوتی

(۱) اس لفظ میں حرف اخیر یعنی ز جمع کی علامت ہے۔ ر ی ز (ریئے ز (Rays
(۲) س ی ن ا ر Sennaar.

ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اوپر کی طرف اتھیوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں

ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریاے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہ مضمون بہت صاف ہو جاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دریاے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریاے نیل اور انکے اس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں ہیں۔

دریاے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُس کا ذکر۔

یہ خیالات میرے دل میں اسوقت گزرے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو میں نے اُس وقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی "وہ خلیج بنگالہ میں دریاے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ پاکر آپسمیں مل گئے۔ اور آخر کار بر اعظم سے شامل ہو گئے ہیں مجھکو دریاے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہ قول "کہ ملک مصر دریاے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریاے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریاے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل سے زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیجاتا ہے جسکے سبب سے اسکے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ دریاے نیل

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو بسبب اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی بآسانی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور اَور دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے اس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے! دونوں ملکوں میں یہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھیوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنمیں دریا بہتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر۔ مگر معلوم رہے کہ یہ حالت عموماً نہیں ہے۔ چنانچہ دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہ ملک اُسوقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیونٹ صاحب نے جو یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سوئز اور طور اور کوہ سینا اور جدّہ میں جو مکہ سے آدھے

دن کے راستہ پر پاک مانا ہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ کامیرن[1] اور لوہیا[2] میں ہوئے ہیں اُن کا مفصل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں اس لئے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملے اُن کی تمنا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیت مجھکو بمقام مخا ملک الحبش پیا اور وہان جانے کے لئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُسکو بھی لکھوں۔

مصنف کا خط بنام مسٹر چیپ لین[5] مورخہ دسوین جون سن سولہ سو اٹھہ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران

ہندوؤں کے عقائد اور توہمات اور بعض انوکھی رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں

سورج گہن

سورج گہن کے ایک موقع پر فرانس میں لوگوں کے توہمات کا بیان

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے میں نے ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا

[5] کسی مصنف کی کوئی ایسی راے جو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسیقدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورخ کی راے پر تو ہمارا اختیار نہ تھا کہ اسکو بدلیا جا مگر یان

(1) Camaran کامران (2) Loheia لوہیا (3) Mr. Chanclon مسٹر چیپلن

اپنے ہی ملک میں سن سولہ سو چون عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا سن سولہ سو چھیاسٹھ عیسوی میں بمقام دہلی! پہلا گہن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف وہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہ بے وقوفانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹونے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانون اور تہ خانون میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کر لیا تاکہ اُس منحوس وقت کے آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزارون آدمی گرجاؤں میں دعا مانگنے گئے! بعض یہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہ جہان آج ہی ملیامیٹ ہو جائیگا اور اگرچہ گے سینڈی[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱ - مگر ہان بلا اندیشہ فوت مطلب جس جگہ ترجمہ میں کوئی ملایم لفظ اختیار کیا جا سکتا تھا - بپاس خاطر اپنے ہموطنون کے وہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں امید کہ ناظرین وقت پسند ہماری اس فروگذاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السید محمد حسین

۵۱ گے سینڈی ملک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہ سن پندرہ سو بانوے عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچپن میں مرا - یہ ابتداء عمر ہی سے علوم ریاضی کی طرف مائل تھا چنانچہ سولہ برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام ایکس علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا - اسی زمانہ میں اسنے ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جسکے باعث یہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا سن سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہ جب ملک ہالینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کیطرف زیادہ متوجہ ہوا اور سن سولہ سو اکتیس میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گزرنے کی خبر دی جسکو انگریزی میں ٹرینزٹ اور عرب ہیئت دان لوگوں کی اصطلاح میں قران یا مرور کہتے ہین (ماخوذ از کتاب روضۃ الحکماء) اس م ع (ٹرانزٹ)

اور رابروول[۵۱] وغیرہ اہل ہیئت اور حکما اور فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھدیا تھا کہ اس گہن مین اگرچہ دہوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور جس طرح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہین یہ بہی بالکل بیخطر ہے نجومیون اور رمالوں کے سے بیہودہ توہمات نکرنے چاہئیں مگر اسپر بہی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہمات تہے۔

دہلی مین ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر۔

جو گہن بمقام دہلی سن سولہ سو چہیاسٹھ عیسوی میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہمات اور عجیب و غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گہن کا وقت آیا تو مین اپنی حویلی کی چہت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن مین تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزارون لاکھون ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندہے کھڑے دیکھ رہے تھے تا کہ گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں چھوٹی چھوٹی لڑکیان اور لڑکے بالکل ننگے تہے۔ مرد صرف دھوتیان باندھے ہوئے تہے۔ بیاہی ہوئی عورتین اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں صرف ایک چادر یا ساڑہی اوڑہے ہوئے تھین۔ ذی مقدور شخصوں اور

---

[۵۱] رابروول ایک فرانسیسی عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکہتا تھا اگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف بخل اور خود غرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے اپنے زور طبیعت سے نکالے تہے اوروں کو کم بتاتا تھا (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

رابروول Roberial (س-م-ح)

مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے - مگر ہاں اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلے چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کی طرف سے بطور وکیل حاضر ہو کر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کرکے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اوسکے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی انکو عطا ہوتا ہے[۱۵]

گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور بن دان کرنے کی وجہ -

اب مین اس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہ کہ یہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں! ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) جو خدا نے ہمکو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راچھس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور از بس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بشدت میلا اور کالا بنا دیتا ہے - سورج بھی اگرچہ ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا-

۱۵ - ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہین اور جنکو ہمارے ملک این روئے ستلج مین ڈکوت یا مہا برہمن یا گجراتی یا اچارج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں بس غالب ہے کہ بادشاہ کی طرف سے یہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا - اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے انکی بعض رسمین اختیار کرلی تھین جو اکبر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ انکو بجا لاتے تھے مثلاً تل دان یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا - س - م - ح -

کے پنجہ میں پھنسکر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے۔ پس ہر ایک شخص کو یہ لازم اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دینے میں کوشش کرے اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پوجا پاٹھ اور پن دان کیا جاوے۔ کیونکہ یہ دھرم کرم گہن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پن دان اُس وقت کیا جاوے وہ بہ نسبت معمولی پن دان کے سو گُنا پھلتا ہے۔ پس ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سوگنا فائدہ ہو اُسکو نکرے! صاحب من۔ یہی وہ دونوں سورج گہن ہیں کہ جنکی نسبت میں نے آپ سے کہا ہے کہ انکو ہرگز نہ بھولوں گا۔

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نخواہی یہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اور حال بھی اِن لوگوں کی بعض وحشیانہ طور کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم ہو نتیجہ نکال لیں۔

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامی ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جسمیں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے۔ اور اگر میری یاد میں غلطی نہو وہاں ہر سال ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور اس موقع پر

لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگلے زمانہ میں ہمن[۵۱] کے مندر پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں۔

جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان۔

لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے (جسکا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں میں نے دیکھا بھی ہے) جس پر بیشمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے کیسکے تو اُن

۵۱ ہمن انگریزی جوپی ٹر کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا Hummon یہ مندر جسکا ذکر متن میں ہے لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا جسکا ہمارے زمانہ میں شہر برقہ دار الحکومت ہے۔ جہاں یہ مندر بنا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب صیوہ نامی ایک گانوں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے مغرب کی طرف تخمیناً تین سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہ بیحد و شمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اُن کی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو وُنڈل کے نام سے مشہور تھے اُسکو لوٹ کر برباد کر دیا جس ضلع میں یہ مندر بنا ہوا تھا اُسکے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جسمیں نہ گھاس تھی اور نہ پانی۔ مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اُس بیابان میں صرف وہی ایک قطع تھا جہاں اُوس پڑتی تھی مشہور رومی مورخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اس مندر کے نزدیک ایسا چشمہ تھا جسکا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جسکی خنکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہانتک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا سن سترہ سو بانوے عیسوی

(جوپی ٹر - ج وُ پ ی ٹ ر) (لیبیا - اِ ی ب ی آ) (برقہ - ب ر ق ہ) (صیوہ ص ی و ہ) (وُنڈل - وَ ن ڈ ل) (ہیروڈوٹس - ہِ ی ر و ڈ و ٹ س) Herodotus

جنوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں۔ دوسرے ہیں یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کیسکے نہایت مہیب بندر اور اور دیو وغیرہ کا سا ایک سر ہے۔ یہ رتھ پندرہ سولہ پہیوں کا ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہنا کر کے اور عظم و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں۔

مورت کے درشن کے وقت لوگ کثرت ازدحام سے کچل جاتے ہیں۔

پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں اسقدر ازدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چلکر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور اُن کے اردگرد کے لوگ یہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے! جو اتنی دور سے ایسی متبرک جگہہ آن کر مرے۔!!!

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸۔ عیسوی میں برُدنی نامی ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور سن سترہ سو اٹھانوے عیسوی میں ہوارنی میں نامی ایک دوسرے سیاح نے اس چشمہ کو معلوم کیا۔ اور اِن کے بعد سن اٹھارہ سو سولہ میں ایک اور سیاح نے جسکا نام بلزونی تھا اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہ چشمہ کھجوروں کے خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اُسکے پاس تھرمامیٹر نہ تھا اسلئے اُس نے اسکے پانی کی نسبت قیاساً یہ لکھا ہے کہ اس کی گرمی صبح کو (اسّی) دوپہر کو (چالیس) شام کو (ساٹھ) اور آدھی رات کو (سنو) درجے ہوجاتی ہے (ماخوذ از جام جم و انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

(برُوڈِی بَ رَ دِن یُں) (ہوارنی میں ہُ وُ رُنِ یُم سِ نَ) (بَلزُونِی بَ لْ زُوْ نِ یْ)

جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا اہم کام سمجھا جاتا ہے

یہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو اُنکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اس امر سے ذرا بھی تعجب اور نفرت نہیں کرتے اور اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بجائے اپنے بچہ کے سمجھینگے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے!! برہمن لوگوں کو ان توہمات اور ان بہاری غلطیوں کے ارتکاب کی اور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ یہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُن دان لیکر مالدار ہو جاتے ہیں۔

ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے

برہمنوں کا دغا اور فریب یہانتک ہے کہ تاوقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کرلیا مجھکو اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی کیواسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑے دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہ برہمن

اُسکو یہ وہم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آکر رہیں گے اور تو دیوتا سے پوچھیو کہ آپکی دفعہ سال کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کیوقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اُس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اُسکو جگن ناتھ سمجھے ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اُسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اسکو دوسرے مندر میں لیجاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمنے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ علانیہ لوگوں کو سنا دو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں

اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کیوقت کسبیان اپنے بدن سے مختلف اوضاع کے ساتھ نہایت بے شرمی اور بے حجابی کی حرکتیں کرتی ہیں[۹۷] اور

[۹۷] مصنف کی مراد اس عبادت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو ابتک بھی بنگالہ میں مروج ہے اور نوجوان بنگالی اپنے عیش و عشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو برہنگی مطلق کی حالت میں نچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو اُنکی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین عیسوی میں جب وہ صوبہ جہاں یہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اُسوقت تین سو ناچنے والی عورتین مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصول کے لئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر

برہمن ان لغویات کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اس پیشہ کے نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ ان

یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱ - کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اسکا آنا موقوف کرا دیا اور اس طرح پر یہ آمدنی خالص حق پوجاریوں کا ہو گیا۔ س-م-ح-

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر اروِنگ براک صاحب نے اس موقع پر ڈاکٹر کلاڈی اس بکانن صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اسجگہ نقل کیا جاتا ہے **قولہ** ڈاکٹر کلاڈی اس بکانن صاحب (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ عیسوی میں ملک اوڑیسہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں) یوں لکھتے ہیں کہ آج بتاریخ تیسویں مئی سن اٹھارہ سو چھ عیسوی ہم بمقام بھدریک مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہمکو آملے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض ان میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمکو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آجکل موسم سخت گرمی کا ہے مگر اسپر بھی یہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال واطفال آئے ہیں یہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی میں مر جاتے ہیں اور انکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی

عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے باین عذر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲ کے کنارے جو جاتریوں کے اُترنے کے لئے ایک سرا بنی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہمنے پڑی دیکھیں آج ہمکو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنیکے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجالا رہا تھا۔ پھر وہ چودھویں جون سن اٹھارہ سو چھ کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں وہ کہ میں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دار الفنا اور وادی موت کا ٹھیک بیان نہیں کرسکتی۔ البتہ اس کے مشابہ وادیٔ ہنیم ہو تو ہو جیسا کہ مولک[۵۱] کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑہائی جاتی تہیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جاوے تو کچھ ناواجب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تیئں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بہی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس بُرے طور پر جان کہوتے ہی ہیں جگن ناتھ کے ساتھ اُسکے بہائی اور بہن بلرام اور سوبھدرا کے نام سے دو اور مورتین بہی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریباً برابر ہیں آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا! نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے!! اور فی الواقع لایق شان اور منزلت ایسے ہی ہولناک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات اور خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُس شکل کی مورتیں وغیرہ بنا کر قایم کیجاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں وہ سب ناشایستگی اور عیوب کی بیشمار اور مختلف مورتین موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لب لباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتین جنکو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پایدار پتھروں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بہی دیکھنے گیا تہا وہاں بہی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل

[۵۱] ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اُسپر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ س۔م۔ح۔

قبول نہ کیا کہ ہمنے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور ان سادھوؤں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳ - سفید نظر آتے تھے - شہر کے نزدیک مینے ایک اور جگہ جسکو انگریز گلگوتھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہیں پھینک دیجاتی ہیں اور گتے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں -

میں جیمس نہٹر صاحب کے مکان میں جو سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے یہ صاحب شہر کے قریب اسواسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت بدبو آتی ہے اور ان لوگوں کے گوناگوں توہمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں - مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی سی ڈرانی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں - جن میں سے اکثر بھوکھ اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندہے اور بدن کو کئی طرح کے رنگ لائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں نظر آتے ہیں اِسکے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے ستر اور حجاب کے شہر کے قریب ریتی میں قضاے حاجت کے لئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں جن کے فضلہ کو سانڈ جنکو یہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف آکر چٹ کرتے ہیں!

پھر صاحب موصوف اٹھارہ وین جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگن ناتھ ہی سے یوں لکھتے ہیں کہ دو میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جسکو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر آیا ہوں آج اس دیوتا کا ایک بڑا دن ہے - چنانچہ دوپہر کیوقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو

ڈ جیمس ہنٹر - ج - ے م س ہ ن ٹ ر

پر جو ننگے دھوتی رما ئے اور جٹا دھارن کئے مندر کے چاروں طرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴۔ مندر سے باہر لائے اسوقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنے بجے بجے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اسوقت تو ایسا غل پڑا کہ مینے کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سنائی دیا۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اسطرف کو اُٹھ گئیں اور مینے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا جاتا ہے۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اَور درخت کی سبز ٹہنی ہے اس غول کے لئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جس پر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر سر تا پا گر کر ڈنڈوت اور پوجا بجالائے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جسکے پہیئے بوجھ کے مارے زمین میں دھسے جاتے تھے۔ اس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی چھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد عورت اور بچے اِن کو کھینچتے تھے اور اسقدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے اس زنجیر کے کھچوانے کی یہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پوجاری لوگ کھڑے تھے اور مینے سنا کہ شاید ایکسو بیس ۱۲۰ پوجاری رتھ پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو کلیور کہتے ہیں) اُسکا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور مونہہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اُسکے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جنکے اوپر بڑی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے! اِن ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے

ب میٹھے ہیں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) وقف کیا ہوا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵ - بھی لٹکتے تھے - میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص رتھ کے قریب پہنچ گیا جس کو بہت سے لوگ بمشکل تمام کھینچتے تھے - اور اسکے پہیئے جو بہت تھے اُن میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی - چند لمحہ بعد رتھ رُک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پوجاری نے رتھ پر چڑھکر اور مورت کے سامنے آکر چند فحش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب اِن گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی اِن کا رتھ چلتا ہے - چنانچہ اِن گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھکر پھر کھڑا ہو گیا - تب ایک لڑکا جسکی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی سامنے کیا گیا اُسنے اُس پوجاری سے بھی بڑھکر چند قابل شرم گیت اِس امید سے گانے شروع کئے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑہا ئے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور اُستت بڑی دلربا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی بتانے سے بھی ادا کیا کہ جس سے دیوتا خوش ہوگیا - اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کر کے رتھ کو ذرا آگے بڑہا دیا مگر چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹہیر گیا - پھر اس دیوتا کے ایک بڈھے پوجاری نے کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشایستہ طور پر ہلا ہلا کر اس مکروہ تماشے کو ختم کیا -

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں فحش اور خون ریزی دو باتوں سے مرکب ہے - چنانچہ فحش کا ذکر تو ہو چکا - اب خون ریزی کا بیان سنئے !!! جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑہا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں - چنانچہ اُس نے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے تئیں ہاتھ پھیلا کر موہنہ کے بل زمین پر ڈال دیا - اس وقت ازدحام خلایق نے اُسکے لئے جگہ چھوڑ دی اور رتھ کے پہیوں سے وہ کچل کر مر گیا - اِس حرکت پر جاتریوں کے ازدحام نے مورت کی طرف دھیان کر کے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی - کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اِس طرح سے دیوتا کو خون چڑہایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے - پھر اِن لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر بمراد اظہار استحسان اسکے اِس فعل کے کوڑیاں پھینکنی شروع کیں پھر بیسویں جون سن اٹھارہ سو چھہ عیسوی کو اِسی مقام سے صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸ - کہ یہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں - چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے تیئں قربانی کیا - مگر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف آڑے طور پر پڑ گئی تھی اس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی - مگر آج صبح کو جب میں اُس مردوں کی کھوپڑیوں والی جگہہ سے گزرا تو مینے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اِس وقت اور کچھ باقی نہ رہا تھا - ! پھر اکیسوین جون سن اٹھارہ سو چھہ علیسوی کو یون لکھتے ہیں کہ وہ ابھی رتھہ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور بیرحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اسقدر تنگ آگیا ہوں کہ اَب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلیئے ! آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے مینے ایک اور بھی زیادہ درد انگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کتّے اور گدّہ چمٹے ہوئے تھے - اور اُس کے دو بچے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے - اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہوکر جاتے تھے اِن بچوں کی حالت پر کوئی بھی اصلا ملتفت نہ ہوتا تھا - مینے اُن بچوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اُنہوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے ! افسوس کہ اس جگہہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے - اس وقت جاتری لوگ یہان اسقدر جمع ہوئے ہیں کہ اُنکی تعداد کا اندازہ ٹھیک نہیں ہوسکتا - خاص تہواروں پر جسقدر جاتری جمع ہوتے ہیں اُنکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھہ آدمی چلا جاوے تو کثرت خلایق میں کچھہ کمی محسوس نہیں ہوسکتی مینے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کس قدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہ جواب دیا کہ میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ مٹھی بھر ریت میں کتنے ذرے ہوتے ہیں -

انگلستان میں انگریزوں کو اِس بات پر یقین نہیں آنے کا کہ یہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتے میں حکام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں - لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہ سب باتین ہوتی ہیں - خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوشنما اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹- ایسا سرسبز اور شاداب ملک ہے جسکو دنیا کا باغ کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے مولک کے کئی مندر ہیں - چنانچہ ایشٹرا[۵۱] جو کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوشنما گاؤں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہیٹنگس صاحب گورنر جنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[۵۲] سے یہ جگہہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُسکے متصل ہی جگن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بُت کو چڑھایا جاتا ہے - چنانچہ بماہ مئی سن اٹھارہ سہ سات سن عیسوی جبکہ ڈاکٹر بکانن صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہ حرکت کی کہ اُچھلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اول تو بہت ذوق وشوق سے ناچتا اور گاتا رہا اور پھر یکایک اُس کے پہیوں کے نیچے جا گھسا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا فقط انتہیٰ ۔! س۔م۔ح

[۵۱] شاید یہ لفظ دراصل چنسرا ہے - جسکو بنگالی چیچڑا کہتے ہیں کیونکہ ایشٹرا کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا - اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف آچانک سے مراد ہے - س-م-ح -

[۵۲] اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے - شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اس مدعا سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے تو تفریح خاطر اور تبدیل آب وہوا کے لئے وہاں جا رہتے ہیں - س م ح -

ایشٹرا (اِ ے شْ ٹْ رَا)
وارن ہیسٹنگس (وار ر ہ ے س ٹ ن گ س) Warren Hastings

ستی کا بیان

ستی کی رسم اور اُسکے باب میں حکام مغلیہ کی پالسی کا بیان۔

ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روائتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُنکی تصدیق بہت سے سیاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر امید ہے کہ میرے ہموطن اِس پراندوہ کیفیت کو سنکر اَب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دینگے۔

۵۱ ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ بیوہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھہ اشارہ پایا نہیں جاتا اس لئے انگریز مورخ یہ راے قایم کرتے ہیں کہ یہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ یجر بید کی تالیف و ترتیب کا زمانہ سن چودہ سو قبل مسیح اُنہوں نے ثابت کیا ہے اسلئے منوسمرتی کا تقریباً نوسو برس قبل سن مسیحی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اِسکے امتناع کی نسبت کچھہ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اسکی مزاحمت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس ملک کی حکومت عنایت کی تو پولٹیکل خیالات سے مدت تک اِن کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالتمیں ستی ہو جبکہ اُسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گرو کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جاے! ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اِس کے امتناع کے لئے تحریک ہوئی تھی مگر اُسوقت وہ ولایت کو جانیوالے

یجر بید (یَ جُر بیدْ) لارڈ ویلزلی (لارڈ ویلزلی) Wellesley

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلاشک مبالغہ کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اسکے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی پالسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُن کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُنکو آزادی دیتے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹ — تے جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا لکھہ گئے کہ اس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہے۔ دسویں اپریل سن اٹھارہ سو دس عیسوی کو محکمہ صدر نظامت بنگالہ نے ایک اپنا سرکلر اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ یا افسر پولیس کے کوئی بیوہ ستی ہونے نہ پائے اور یہ عہدہ دار اُن اُمور کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اُسپر زور و ظلم تو نہیں کرتا؟ کسی نے اُسے نشہ پلاکر تو یہ ست نہیں چڑھا دیا؟ یا کسی اور طرح سے بیہوش و حواس تو نہیں کر دیا؟ اُسکی عمر سولہ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ہے۔
یہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی!! گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہ جاری کیا کہ چتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے! سن اٹھارہ سو بیس عیسوی میں اِس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہ حوصلہ نہوا کہ اِسکے امتناع کا قطعی حکم دیوے۔ بلکہ بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ اِس کا روکنا گورنمنٹ کے اس بڑے

چِتا (ج ت ا) ست (س ت)

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں - یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئیگی - صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اُسکی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا ہی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیجدیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اُسکو اپنے طور پر سمجھائیں - مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰ - اصول کے مخالف ہے کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ شائستہ اور عقل اور انصاف کے خلاف نہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی - چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کرکے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز نے سن اٹھارہ سو تیس عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور لکھا کہ ہمکو کمال خوشی ہوگی اگر یہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہو جاسکے! اسپر لارڈ ایمہرسٹ [51] نے بہ تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اس کا انسداد تو ضرور چاہیئے - لیکن بتدریج ہندؤوں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کرکے! اور یہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہ رسم قطعی موقوف نہیں ہو سکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائیگی! سن اٹھارہ سو ستائیس عیسوی میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہو سکتی ہے ؟

اس پر لارڈ ولیم بینٹنک [52] نے جو ابھی گورنر جنرل ہو کر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور ہمت کرکے آخر کار چودھویں دسمبر سن اٹھارہ سو اُنتیس عیسوی

[51] ایمہرسٹ (اِ سے مُ ہ رُ سْ ٹ) Amherst

[52] ولیم بینٹنک (وِل یَ مْ بِ ے نْ ٹِ نْ ک) Lord William Bentinck

تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً اُن راجاوں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جنکو مینے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپکی تصدیع افزائی اور سامعہ خراشی نکرونگا۔ بلکہ منجملہ اُن کے صرف دو تین سمدموں ہی کا بیان کروں گا۔ اور ان میں بھی مفصل حالات صرف ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا۔

ایک عورت کا ذکر جسکو مصنف نے سمجھا بوجھا کر ستی ہونے سے روکا۔

بندی داس نامی میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خان کا میر منشی تھا وہ تپ دق کی بیماری سے جسکا معالجہ مینے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا اور اُسیوقت اُسکی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونیکا ارادہ کر لیا۔ اسکے رشتہ دار میرے آقا کے نوکر تھے اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳۔ کو ایکٹ نمبر سترہ جاری کر ہی دیا جسکی رو سے یہ دردناک رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سے دفع ہو گئی۔ اور اگرچہ کلکتہ کے دولتمند بابوؤں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحہ کے صفحہ کالے کر ڈالے مگر اس باہمت شخص نے ایک نہ سنی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو اپیل دائر کیا گیا تھا اور جسپر فرقہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے سن اٹھارہ سو تیس عیسوی میں ولایت سے خارج ہو گیا۔ اور اس رسم کی موقوفی کی نیکنامی جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُسکو ہمیشہ کے لئے حاصل ہو گئی (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ انفنسٹن صاحب و پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) س م ح

کہ اس دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ
تمہارا یہ قصد پسندیدہ اور باعث عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر
لایق تحسین اور ہمت کا کام ہے لیکن تمکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ تمہارے بچے
کم عمر ہیں اور اُنکو چھوڑنا نہایت بیرحمی ہے اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا
فکر اس محبت سے جو تم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیئے
اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے جب اُن کی فہمایش کو کسی طرح نہ مانا تو اُنہوں نے
مجھسے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی
تھی اور اس خاندان سے میری دیر سے دوستی تھی اسلئے میں اُسکے پاس
گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بڈھی عورتیں
اور چار پانچ مُسن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اردگرد جمع ہیں اور یہ سب
عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے
زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہ عورت لاش کے پائینتی
بیٹھی تھی اور بال کھلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نہ تھا۔ لیکن
جب حاضرین مجلس کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلاکر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا
ہو گئیں اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی بھی جب یہ
رونا پیٹنا فرو ہوا تو میں اُس کم بخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی
کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمہیں
اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمہارے دونوں بیٹوں کے واسطے
دو دو کروڑ یعنی پانچ پانچ روپیئے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھے گا بشرطیکہ

تم اپنی جان تلف نہ کرو - کیونکہ تمہارا جیتا رہنا تمہارے بچوں کی خبر گیری اور تربیت کے واسطے از بس ضرور ہے اور تمکو خوب معلوم رہے کہ ہم بہت طرح سے تمہاری چتا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو تمہیں اس نامعقول بات کی جرات دلاتے ہیں سزا دے سکتے ہیں - تمہارے سب عزیز و اقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمہارا زندہ رہنا چاہتے ہیں - اور اس حالت میں تم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید نہوگی جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہوسکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرأت نہ کرے اور میں نے کئی بار اس تقریر کو دوہرایا لیکن اُسنے مطلق جواب نہ دیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ ملا کر یوں بولی کہ "خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤنگی تو دیوار سے سر پھوڑ کر مر جاؤنگی" یہ سنکر میں نے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصہ سے پکار کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے اچھا ستی ہو جا لیکن اے بدبخت بیرحم پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر اُنکو بھی چتا پر جلا دے کیونکہ ہمکو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو تو ستی ہو کر اس دنیا سے چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خاں کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں - میرے اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ چپ ہو گئی اور فوراً سر جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے کیطرف کھسک گئے اور یہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اُسکے

رشتہ داروں کے سپرد کرکے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے گھر کو چلا آیا۔ ! شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنے کو جاتا تھا راستہ میں اُسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ادائے شکر بولا کہ اُسکے شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسنے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھنا

اب اُن عورتوں کا حال سنئے جو فی الواقع جل مرتی ہیں۔ میں نے یہ ایسے اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آیندہ ستی کے کسی اور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُسکا اعادہ عبرت اور نفرت سے خالی ہے بہرحال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان اُسکا بیان کرتا ہوں[۵۱]! لیکن مجھکو یہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے

[۵۱] مشہور و معروف سیاح شیخ ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ افریقی معروف بابن بطوطہ جو کہ سات سو چونتیس ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اول سلطان سے اجازت حاصل کیجاتی ہے اور اسکے بعد عورت ستی ہوتی ہے! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ میں ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُس نے ابجری لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی حکومت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اور اس نے

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیڈھرمک جان کھونیکا بیان ٹھیک ٹھیک کرسکوں۔ جو جو کچھ اُس پُر اندوہ اور خوفناک اور بدانجام رسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اسکو سچ نہ جانے گا!

جب میں احمد آباد سے راجستان ہوکر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھیرا ہوا تھا سُنا کہ ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بجز تھوڑی جگہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے بھرا ہوا ہے اور اسپر مردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵۔ لڑانے کو نکلا تھا چند ہندو آدمی مارے گئے تو اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی ہو جاتی ہے وفادار اور اپنے خاندان کیلئے باعث عزت سمجھی جاتی ہے اور جو ستی نہیں ہوتی وہ موٹے موٹے کپڑے پہنتی اور بیوفائی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک بدنصیب اور ذلیل خیال کیجاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی۔ چنانچہ جب اُنہوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی عورتیں اُنکی ملاقات کو آتی رہیں۔ چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کر کے اور عطر وغیرہ لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور دائیں ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جنکو اچھالتی اور اُن میں اپنا مونھ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا اسلام کہدینا! جسکے جواب میں وہ ہنسکر کہدیتی تھیں کہ اچھا! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

اور پانچ ادھیڑ عورتیں کسیقدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے چتا کے گرداگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چتا جسپر بہت سا گھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی مگر میں نے کوئی علامت دکھ درد یا گھبراہٹ کی اسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اسنے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا خط کہا جسکا یہ مطلب تھا کہ یہ پانچویں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (اواگون) کے مسئلہ کے موافق "مکتی" کو پہنچ جاونگی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاونگی اور یہ لفظ اس نے اسطرح سے کہے کہ گویا اسکے اس اخیر وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶ - گیا اور کوئی تین میل چلکر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور ان میں چار مٹ بنے ہوے تھے جنمیں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور ان مٹوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جسپر درختوں نے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہ عورتیں جب ان مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جاکر اتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگا کر ایک بن سلا موٹا سوتی کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھ لیا۔ تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلائی جا رہی تھی جسپر بھڑکانے کے لیے تلوں کا تیل ڈالا جا رہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی باریک ایندھن کے مٹھے ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ ان عورتوں کے منتظر کھڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نجائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصہ ان میں سے ایک عورت کو میں نے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر

میں کسی اوتار یا رشی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے۔ لیکن ابھی اس دوزخیانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور مینے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک امر رسمی کے کسی خاص مطلب کے لئے نہ ہونگی۔ مگر جب مینے یہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُسنے بھی اپنے تئیں سر کے بل اُس آتشین گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسرے کے کپڑے جلنے لگے اُسنے بھی اس دہشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بیفکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں۔ تب تو مجھپر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اب مجھکو ایک شخص کے ساتھہ کئی عورتوں کے ستی ہونے کے مطلب بھی جلد معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ یہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا اُنہوں نے اِس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷۔ کھینچ لیا اور ہنسکر بولی کہ "مارا میترسانی آزا طیش (آتش) من مے دانم کہ او آطیش است رہا کنی مارا" جسکے یہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو میں جانتی ہوں کہ یہ جلا ڈالنے والی آگ ہے۔ پھر اُسنے آگ کو سلام کرنیکی خاطر اپنے دونوں ہاتھہ سر پر جوڑے اور اُسمیں کود پڑی اور معاً نقارے اور سنکھہ اور نفیریاں بجنے لگیں۔ جن لوگوں کے ہاتھہ میں ایندھن تھا وہ اُنھوں نے اُسپر ڈال دیا۔ پھر اور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تاکہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا۔ اور یہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا موںھہ نہ دہوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا۔ (س۔ م۔ ح)

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہونگی۔ پس یہہ لونڈیاں بھی جوش الفت سے اسقدر مغلوب ہوئیں کہ اُنھوں نے بھی اپنا مرنا ٹھان لیا اور اسی آگ میں جل مریں جسمیں اُنکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی۔

ستی ہونا محبت کے سبب سے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے

بہت سے لوگ جن سے مینے اُسوقت ستی ہونے کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین لانے کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدت محبت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلوم ہوگیا کہ اس مکروہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصب اور توہم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جمایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اسکی ماں یہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اسی میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہوجاوے۔ اور پتی برتا عورتوں کا یہی طریق ہے کہ اس مقررہ رسم سے ہرگز مونھہ نہ موڑیں۔ علاوہ بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ (عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کے واسطے بآسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح پر عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔)

اب مین ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک واقعہ کا

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اول اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ واقعی یہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے۔ مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات مینے دیکھے ہیں یہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھکر ہے اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجود مینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد اور یقین نہیں کرتا۔ لیکن آپکو یا مجھے یہ نہیں چاہئے کہ اس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصور کرلیں کہ اُسمیں ایک خاص طور کا انوکھاپن ہے۔ ہندوستان میں یہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے۔ اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو۔ چنانچہ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجایز لگاو رکھتی تھی اُس نے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اَب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو۔ کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑے گا۔ مگر جب اُس جوان نے اس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش و اقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونیکا ہے۔ وہ لوگ اُسکی اس پرہمت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے۔ اور چتا تیار کرکے لاش کو

اُسپر رکھدیا اور آگ لگادی۔ جب سب تیاری ہوچکی تو وہ چتا کے گرد اس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مل مل کر اپنے خویش واقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورا نواز بھی کھڑا تھا جو اَور سازندوں کے ساتھہ جو ملک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بلایا ہوا آیا تھا۔ پس جوہیں یہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اس شدت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھہ چتا میں لے گری اور اسطرح پر اِس چھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لے لیا۔[۵۱]

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک اور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُسوقت کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے۔ چارڈن صاحب بھی موجود تھے! یہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی۔ مگر میری زبان میں یہ طاقت کہاں جو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جرات اور دلیری اور وہ وحشیانہ چاؤ جو اُس وقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ بیدھڑک چتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

۵۱ مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اسطرح بھی ضرور ستی ہوتی تھیں۔ "تریا چلتر جانے نہ کوے خصم مار کر ستی ہوئی کس طرح"

Mn Chardin. چارڈن۔ رچ آرڈن۔

ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا اور اپنے تئیں اشنان کرانے کی اجازت دینا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام کی حالت میں ہونا اور اُسکا وہ بلند ہمتی کا طور و طریق اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی "گپھا" کو جو گھانس پھونس اور پتلی پتلی لکڑیوں کو اوپر نیچے چنکر چتا پر بنائی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لیکر اُس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لیکر خود اپنے ہاتھ سے اُس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا۔ اور پھر نہ معلوم کتنے برہمنوں کا باہر کی طرف سے اُسکو جلانا ٹھیک بیان کر سکوں۔!!! حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اس دردناک واقعہ کی کیفیتوں کا کامل خاکہ ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور نہ اُس حالت ہی کا کچھ بیان کر سکتا ہوں۔ جو اِس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گزری! اور یہ ہیبت ناک واقعہ ابتک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے! اور شدت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کیطرح اُسے بھلا دوں مگر ہرگز نہیں بھولتا۔!

ستی کے چند واقعات کا بیان جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا

میں نے چند ایسی بدنصیب بیواؤں کی مصیبت بھی دیکھی ہے جو چتا کی شکل دیکھتے ہی بھاگنے لگی تھیں۔ اور اس حالت کو دیکھکر میرے دل کو بالکل یقین تھا کہ اگر یہ بے درد برہمن ستی ہونے سے انکار کر دینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اس سے رک جائیں مگر یہ کم بخت اِن خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہو جانے کی

خاطر صرف ترغیبین اور ڈھارسے ہی نہیں دیتے بلکہ انکو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں - چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی! اسیطرح مینے ایک اور بیچاری بدنصیب عورت کو دیکھا کہ اُسکے ارد گرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اُسنے نکل بھاگنا چاہا - مگر ان دیو سیرت جلادون کے لمبے لمبے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی -

جو عورتین چتا میں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہوسکتیں - اور خاکروبوں کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں -

لیکن یہ عورتین ان خونی برہمنوں کی آنکھ سے بچکر کبھی نکل بھی جاتی ہیں - چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جسنے خاکروبوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی - یہ لوگ جب سنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جوان اور حسین عورت ہے اور اُسکے گھر والے چندان نامی اور ذی مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اور پڑوسی اُسکے ساتھ ہونگے تو وہاں بکثرت جمع ہوجاتے ہیں - لیکن جو عورت مرگ کا یہ سامان دیکھکر اسطرح پر ہمت ہار دیتی ہے - اور ان لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہ امید وہ ہرگز نہیں کرسکتی کہ اپنی زندگی کے باقی دن فارغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُسکے ساتھ عزت اور محبت سے برتاو کرینگے - بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے اپنے تئیں اسطرح بےعزت کرڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا - کیونکہ وہ پرلے سرے کی بدنام اور مطعون ہوجاتی ہے - اور عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی اس

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگا دیا۔ اسلئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور کمینے نئے محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اُسکو پناہ نہیں دیتے مگر بزنگیز پناہ دیتے ہیں۔

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اُسکی جان بچائے۔ یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُسکو پناہ دینے کی جوکھوں اُٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُنکا زور زیادہ تھا بہت سی بیواوں کو بچا لیا ہے۔

مصنف کا ایک کمسن لڑکی کو زبردستی جلائے جاتی دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ ان حرکات کو دیکھکر غصہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو اِن کم بخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ لگے! چنانچہ لاہور میں مینے ایک نہایت خوبصورت کمسن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا۔ جسکی عمر بارہ برس سے زیادہ نہوگی۔ یہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُسپر مردنی چھا گئی۔ اور میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں لے رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اوسکے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اِسطرح بر اُس بیچاری معصوم کو جلا کر خاک کر دیا۔

اُسوقت کچھ نہ پوچھئے کہ غصہ کے مارے میرا کیا حال تھا۔ اور مینے کس طرح سے اپنے تئیں تھاما۔ لیکن چونکہ کچھ بس نہ تھا ناچار دل ہی دل میں کڑھتا تھا کہ ہائے غضب یہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور مینے شاعر کے یہ اشعار جو اُسنے[۵۱] ایگےمم نن کی بیٹی[۵۲] ایفیجینیا کے باب میں کہے تھے۔ جس کو اُسکے باپ نے ڈائینا[۵۳] پر قربانی چڑھایا تھا۔ اِن کے حسب حال پائے۔

خلاصۂ معنی اشعار لیٹن

"ایسی چیزوں کے نیست و نابود کردینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات مذھب نے بڑے بڑے بدکام کئے ہیں۔ چنانچہ بیچاری نوجوان اِف یانا سا (یعنی ایفیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈائینا کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھا دیا گیا تھا۔ افسوس! یہ مذہب انسان سے کیسے بدکام کرا دیتا ہے"

+ ڈاکٹر بریئر کے اس خط میں ڈائنا۔ ایگےمم نن اور ایفیجینیا کا ذکر چونکہ قصہ طلب باتیں ہیں۔ اسلئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر اس جگہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا۔

ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے۔ اور اُسمیں مارڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں خیال کرتے تھے اور اِس مناسبت سے اُسکی مورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

[۵۱] اے گ سے مم نن Agamemnon [۵۳] ڈ اے نَ اُ Diana.
[۵۲] اِف ی ج ی نِ ی آ Iphigenia.

زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں

ہینے ابھی پورا ذکر اُن کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض حصوں میں تو یہ غضب ڈھاتے ہیں کہ جلا کر ستی کر دینے کے عوض عورت کو اول رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک اگر اُسکی مُنڈیا مروڑ ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹی کی ٹوکریاں ڈالکر بالوں سے دبا دیتے ہیں۔ +

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵۔ تھے جسکے سرکے بال گردن کے نیچے تک پڑے ہوئے ہوں اور داہنے ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگی کو جو بھاگا جاتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو۔ اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے سجاتے تھے۔ ایشیائے کوچک کے لوگ بھی اسکو پوجتے تھے مگر مثل ہندوستان کی وشنو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے۔ اور اسلئے اُسکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُسکے پوجاری خوجے ہوتے تھے۔ اسکا مندر جو شہر ایفیسس واقع ایشیائے کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس برس میں بنکر تیار ہوا تھا۔ اور اس مدت میں ایکسو ستائیس بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کیواسطے روپیہ دیا تھا۔ یہ مندر چار سو پچیس فٹ لمبا اور دو سو بیس فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایکسو ستائیس ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ فٹ اونچے اور ڈیڑہ ڈیڑہ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزنی تھے بنایا گیا تھا۔ اور بیس ہزار آدمی اُس میں بفراغت بیٹھ سکتے تھے۔ تین سو چھپن برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اِس طراتوس نامی ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اِس حرکت سے اُسکا نام دنیا میں باقی رہیگا۔ یہ مندر اگرچہ دوبارہ

+ دیکھو ایکٹ نمبر ۱ سن اٹھارہ سو انتیس عیسوی) مصدرہ گورنمنٹ ہند درباب امتناع رسم ستی س م ح

ایفیسس۔ اے فِ سُ سُ Ephesus

اراس طراتوس۔ اِرَاسْ طارِتْ دُسْ۔

ہندو اپنے مردون سے کیا سلوک کرتے ہیں

داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم کا ذکر۔

اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مردون کو جلاتے ہیں۔ مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جھلس کر ایک اونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ مینے اِس داغ دیکر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶۔ بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی گاتھ[1] قوم کے لوگون نے جو جرمنی کی ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی سن دوسو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفیسُس شہر ازمیر[2] سے جو ایشیاے کوچک میں بالفعل سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اُسکا نام ایازلوک[3] مشہور ہے۔

ایگےممنن اور ایفیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیاے کوچک میں ٹراے[4] ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا جسکے گرد نہایت مضبوط پچاس ہاتھ اونچی دیوار جسکا محیط چار میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پوڈاکیز[5] ملقب بہ پرائم[6] جب یہان کا راجہ ہوا تو اُس نے اپنے دشمن یونانیوں کے پاس اپنے بیٹے پیرس[7] نامی کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ پیرس نے یہ نالائق حرکت کی کہ سپارٹا[8] کے راجا مینی لاس[9] کی رانی ہیلن[10] کو بھگا لایا۔ اسپر یونان کے تمام راجاؤن کو نہایت غصہ ہوا اور اِس امر کا بدلا لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی ایک ہزار ایک سو چھیاسی جہازوں پر بندرگاہ آلس[11] سے جو یونان کے صوبہ یوبیا[12]

(۱) گ اتھ Coth (۲) ازمی ر (۳) ای ازل دکمہ (۴) ٹ راے Troy (۵) پ ڈ ڈ اک سی ز
(۶) پ را ام Priam (۷) پ ے رس Paris (۸) س پ ار ٹا Sparta
(۹) م ن ی ل ا س Menelaus (۱۰) ہ ے ل ن Helen (۱۱) آل س Aulis (۱۲) ی و ب ی ا

ادھر ادھر چیلوں اور کوؤں کی ٹکڑیاں کی ٹکریاں منڈلاتی رہتی ہیں۔ اور یہ پرندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

قریب المرگ بیمار کو بتدریج دریا میں ڈبو دینے کی رسم کا بیان۔

بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اسکے پانوں پانی میں رکھکر بتدریج اسکو گردن تک ڈبوتے ہیں۔ اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور اسکو وہیں چھوڑکر اور رو پیٹکر چلے آتے ہیں۔ اس رسم کا جسکو مینے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہ بے معنی خیال عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ مینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷ - میں سے سوار ہوئے اور منی لاس کا بھائی ایگے ممنن ان کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جو ڈائنا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا ایگے ممنن کے ہاتھ سے شکار میں مارا گیا۔ اور اسکے بعد ہوا فوراً بند ہو گئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی وبا سے مرنے لگے جسکو اپنی جہالت سے انہوں نے ڈائنا کی خفگی سے منسوب کیا اور ایگے ممنن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتیا کا پرائسچت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جاوے تو ڈائینا نے خوش ہو کر افیجینیا کو معاف کر دیا۔ اور اسکے عوض کوئی اور بدنصیب عورت قربانی کی گئی! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کی طرف بڑھا لیگئے اور دس برس کے محاصرہ کے بعد ایک فریب سے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا! خیال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ سن گیارہ سو چوراسی قبل از سن عیسوی وقوع میں آیا تھا۔ انتہی س م ح

بڑے زور شور سے اسکی تائید کرتے سنا ہے۔

ہندو فقیرون کا حال

گرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے

ہندوستان کے فقیرون اور درویشوں میں جو بیشمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گرو یا مہنت ہوتا ہے جسکے سامنے اسکے چیلوں سے یہ عہد و پیماں لیے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دنیا اور عاجزی سے گرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں

یہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اسکو بیاں کروں مجھے شک ہے کہ آیا اسپر کوئی اعتبار بھی کریگا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خدا سے ملا ہوا! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے ارد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کیے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اسطرح گرہیں پڑجاتی ہیں جس طرح پر کہ ہمارے ملک کے پشمی کتوں کے بالوں میں خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں! اڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے

Polish Disease.

جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخونوں کو اس قدر بڑہاتے ہیں کہ بڑھکر مُڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے میںنے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے اِن کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مزمن بیماریوں میں مبتلا رہکر مرجاتے ہیں سوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خشک اور سخت ہو جانیکے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر اُن سے کچھ مونھہ میں ڈال سکیں! اُن فقیروں کے پاس اِن کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو اِن کو نہایت ہی مہاتما سمجھکر اِن کا بڑا ادب کرتے ہیں! جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی پتلی بانہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈراونی وضع جو میںنے بیان کی ہے اِس عالم سفلی میں اس سے زیادہ متھور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

ناننگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر

میںنے عموماً بعض بعض راجاوں کے راج میں اِن ناننگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشتناک بال یا تو کھلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور ناملائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اس درجہ سے میں نے اُن کو سخت بیحیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں اِن کو کچھہ تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے اِن کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہ یقین ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی مقدس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف سرمد کا ذکر

میں دیر تک سرمدؔ نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادرزاد پھرا کرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُسکے وعدوں ہی کو! اور آخر اسی وجہ سے کہ اُس نے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھا اُس کا سر اُتار ا گیا۔[۵۱]

۵۱ سرمدؔ کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہو گیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا لکھا ہے کہ جب یہ بتقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجن کے لڑکے پر جسکا نام ابھے چند تھا عاشق ہو گیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہو گئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھہ اُٹھا اُسی کے رنگ میں ملگیا۔ اور شاہجہان کے عہد میں دونو بالاتفاق دہلی میں آئے اُسوقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارف موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ دارا شکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سرمدؔ کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ سے اُسکے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلئے شاہجہان نے عنایت نامہ

ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے بعض سخت اور غیر طبعی طریقوں کا ذکر اور اُسکی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات

بہت سے فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاترا کرتے ہیں اور اس موقع پر وہ صرف ننگے ہی نہیں ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے پانوؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں! لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپشیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اسکے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بجز اسکے کہ رات کے وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱ – نامی ایک امیر کو اُسکے تفحص حال کیواسطے مامور کیا اور اُسنے سرمد کو دیکھ بھالکر بطور عرض حال آکر یہ شعر پڑھا ع ۵ بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است + کشفے کہ ظاہر ست ازو کشف عورت است جب شاہجہاں کو اورنگزیب نے قید کرلیا۔ اور دارا شکوہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو ملا شیخ عبدالقوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرمد کو کپڑے پہننے کا حکم دیوے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور ملا نے اُس سے پوچھا کہ ”عریاں چرا میباشی“ سرمد نے اُس کا یہ ظریفانہ جواب دیا کہ ”شیطان قوی ست“ پس ملا نے اور علماء کی اتفاق رائے سے اِسکے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ زادہ سکو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلاد تلوار لیکر سامنے آیا تو سرمد نے کہا ”سر جدا کرد از تنم شوخیکہ با ما یار بود + قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود“ اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلاد قتل کرنے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور بشاشی کی حالت میں اخیر وقت یہ شعر پڑھا ع عریانی تن بود غبار رہ دوست + آن نیز بہ تیغ از سر ما وا کردند“ سرمد کو شعر گوئی میں بھی اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انہیں دنوں یعنی سن اٹھارہ سو چوراسی میں جبکہ یہ کتاب تیار کی جارہی ہے۔ شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اسپر اکثر پھول چڑھاتے اور روشنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت ابتک عام گمان یہ ہے کہ محض دارا شکوہ کی دوستی اس بیچارہ کی قتل کا باعث ہوئی تھی فقط س م ح

چند گھنٹے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں اُنکی پنڈلیاں سوجکر رانوں کے برابر ہوجاتی ہیں۔ بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ گھٹنوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پانوں اوپر پڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں!

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بیفائدہ دکھ دیتے ہیں۔ اِن میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت اور مشکل ہیں کہ ہمارے ملک کے نٹ بھی اِن کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام باتیں تقویٰ اور دینداری کے ایک مفروضہ خیال سے کیجاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی تقویٰ اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا!

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو اِن لوگوں کے یہ بیحد توہمات دیکھکر حیراں رہ گیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اِن کی نسبت کیا رائے قائم کروں بعض اوقات تو میں اس خیال کی طرف مائل ہوتا تھا کہ یہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جسکا نام دوسرے نکس [۵۱] (یعنی کلیبئین) تھا بانی نہیں ہیں تو اُن کا بقیہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ اِن میں

[۵۱] زبان یونانی میں لفظ سے تک کے معنی کتے کے ہیں۔ اور حرف دس (علامت جمع کی ہے۔ چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما کو اپنے اس طرز زندگانی پر بڑا گھمنڈ تھا کہ ہم مال و دولت اور علوم فنون اور حرفت و صناعت اور لہو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اسلئے بلحاظ اُن کی ترش روی اور بدمزاجی کے اِن کا یہ لقب پڑ گیا تھا۔ س م ح۔

سے نکس (س سے ن ک س Cynics (کلیبئین (ک ل ب ی ی ن)

حیوانیتؒ اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا - یا اگر مجھے اِن میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دیکھائی دیتی کبھی مجھے یہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ یہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر - لیکن آخرکار معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں یہ لوگ تقویٰ اور تقدس سے جہانتک خیال کیا جائے بالکل مُعرّاؒ ہیں مینے پھر یہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی اِن پر قوی اثر رکھتی ہے - اور اِن کو بھی معلوم ہوتی ہے - یا یہ کہ خودپسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے - اور جو دیوجانس کی چھٹی

۵۱ دیوجانس جو حکمار یوناں میں مشہور حکیم گزرا ہے مذکورہ بالا سے ننگ فرقہ میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اُسکو دیوجانس کلبی کہتے ہیں - یہ شہر کارنتھہ کا رہنے والا تھا اور چار سو بیس برس قبل از سن عیسوی پیدا ہوا تھا اور چھیانوے برس کا ہو کر سن تین سو چوبیس ۳۲۴ قبل از سن عیسوی میں فوت ہوا - یہ تارک الدنیا تھا اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیپا سر پر اُٹھائے ننگے پاؤں پڑا پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا کھا لیتا اور جہاں چاہتا سو رہتا اور کبھی اِس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھ کر آرام سے لیٹتا تھا! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھہ کو فتح کیا اور اسکی ملاقات کو گیا تو اسوقت یہ سو رہا تھا سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر مینے فتح کر لیا - اس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا پادشاہوں کا کام ہے - لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے - سکندر نے خفا ہو کر کہا کہ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھسے غرض نہ پڑیگی اور یہ ممکن نہیں ہے اسنے کہا کہ مجھکو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑیگی - سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا تو! کیونکہ حرص و شہوت کو مینے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو اُن کا غلام ہے! ایک روز سکندر نے اس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کیجا سکتی ہے؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے! اور تو تو ایک سوال ہیں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو اور لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے! لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اُسکی ملاقات کو گیا تو یہ اپنے اُسی لکڑی کے پیپہ پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمایئے -؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دھوپ نہ روکیں فقط ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم - س م ح -

پرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون[۵۱] کے خوشنما لباس میں۔ ان تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی۔

۵۱ افلاطون چار سو برس قبل سن عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور اکیاسی برس کا ہوکر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا! بس اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کیسا شخص تھا۔ ابتداء عمر میں اسکو کشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا۔ اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اول سقراط سے اور اسکی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا! یہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نکوئی سے پیش آتا تھا۔ اسنے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکسٹھ کتابیں اپنی تصنیفات سے دنیا میں چھوڑیں۔ مرنے کے بعد یہ اس باغ میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیت سے تھا۔ اور اوسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا بندا تھا جسکو بچپن میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے۔ اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور ازل میں اُسکے وجود کے ساتھ کوئی کلی وجود نہ تھا اگر چند مثالیں جن سے اُسکی مراد چند مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس اور مادی صورتیں اُنہیں کلیات بسیطہ کی جزئیات میں اور اس جہاں میں جو کچھ موجود ہے وہ اس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہ کہ ہر اثر کے لئے ایسے موثر کا ہونا ضروری ہے جو کسی نہ کسی طور پر اُس اثر سے مشابہت رکھتا ہو۔ !مطلب یہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلی ہے اور عالم مادی یا عالم مرکبات عالم جزئی ہے۔ اور جو کچھ اس عالم جزئی میں ہے وہ اُس عالم کلی کا نمونہ ہے۔

(ماخوذ از ناسخ التواریخ) س م ح۔

ہندو فقیروں کا نہایت سخت ریاضتیں کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں اس کا نہایت عمدہ ثمر ملے گا۔

سینے سنا ہے کہ یہ فقیر بڑی بڑی سخت تپشیا اس امید کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہو جاینگے۔ اور اگر راجہ نہ بھی ہوئے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہکوان سے بھی زیادہ آرام وعیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر اُن سے میرا قول تھا یہ کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے۔ حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہ زندگی ہے۔ اور جسمیں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی امید نہیں کیجا سکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اُسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگھ اور جسونت سنگھ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو جائے۔ مینے اُن سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تمکو خراب ارادوں کی تحریک ہے جنکو تم ہوشیاری کے ساتھ دنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا بیان اور اُسکی نسبت مصنف کی رائے

بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشنضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں اور ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی اِن کو بھوجن لا کر دیدے تو لے لیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائے تو لوگوں

کو یہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہ مہاتما ساد ھو زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کشیوں کی بدولت یہ خدا کی بھروسہ پر جیتے ہیں یہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں - ان کا یہ ادعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بےخودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں - ہمارے حواس ظاہری معطل ہو جاتے ہیں - اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل البیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے - اور ہمکو دنیا کے الجھیڑوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے - اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابل بیان نہیں - اور میرے ان مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہ کیفیت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویت کی حالت مین ہو جاتا ہون -

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسیکو اِن لاف و گزاف کے استغرافات کے سچ ہونے میں کلام نہیں - مگر میرے خیال میں یہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخیلات میں پڑ جاتا ہوگا - یا اِن فقیرون کے یہ استغراقات اُن طبعی بےخودیوں کے مشابہ ہوں گے جنکی نسبت کارڈن[1] کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اِس حالت میں ہو جاتا تھا -

[1] جیرومی کارڈن ملک اٹلی کا رہنے والا سن پندرہ سو ایک عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور اپنے

[1] جیرومی کارڈن آف اٹلی Jerome Cardan of Italy

جوگیوں کے تصور اور دھیان جمانے کے طریقہ کا بیان

یہ خیال اس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس ہے کہ یہ لوگ اپنے اِن اشغال میں کسی نہ کسی کرتب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت سے دلوں تک کھانا پینا ترک کرنیکے بعد کسی تخلیہ کی جگہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اس کے عامل ہو جائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کو کریں۔ اور اس طرح پر دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھننگ اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہ تصور کا طریق علی الاتصال اُسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نور عرفان صاف جلوہ گر ہو جائے! یہ تصور اور مراقبہ اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷- زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اس عجیب شخص کے سوانح عمری ہی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلان[۵۱] میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا اگرچہ جے روم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ اپنے باپ کا شرعی بیٹا نہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اسکی ماں نے ہرچند اسقاط کے لئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخر کار جب نکلا تو اس طرح پر کہ اُسکی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روز پیدائش سے یہ بیچارہ ضعیف القوی تھا اور اس کے علاوہ اس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ کئی طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسس کن[۵۲] گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہو گیا تھا

[۵۱] م ی ل ان Milan [۵۲] ف ر ان س س ک ن Franciscan

ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اسلئے کہتا ہوں کہ وہ اُن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں! اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھہ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا۔

جوگیوں کے درویش صورت دکھائی دینے کی وجہ۔

اُن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ اور مدتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸۔ مگر تھوڑے دنوں بعد اس نے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کر کے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہانتک کہ اٹلی کے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبی سے ایم۔ ڈی۔ کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اس مدرسہ میں یہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعتوں کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اسکے علم و فضل و طبابت کی شہرت اسقدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اسکی ملاقاتیں ہوئیں اور کئی جگہہ اُمرا نے اپنے طبی مدارس میں اس کو مدرس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اسکے ساتھ تھا۔ یہانتک کہ ایکبار سن پندرہ سو ستر عیسوی میں زیر باری قرض کے باعث کچھہ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ[۱] گریگوری[۲] سیزدہم کے پاس چلا گیا۔ جس نے ازراہ قدردانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کر کے گزرا وقات کے لئے کچھہ پنشن بھی کر دی۔ اور اس نے بقیہ عمر کو شہر روم[۳] ہی میں بسر کر کے بعد اختتام اپنی کتاب سوانح عمری کے

۱ Gregory ۲ Pope ۳ Rome

حالت افلاس اُن کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں ہندو جوگیوں یا دیگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لیجا سکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطی یونانی نسطوری جے کوبٹ یعنی یعقوبی اور سے رُونِٹ عیسائیوں کو بنظر مقابلہ دیکھا جاوے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے مگر ہاں اس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جسقدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰ ۔ سن پندرہ سو چہتر عیسوی میں قضا کی۔ ! یہ شخص احکام نجوم کا اسقدر معتقد تھا کہ ایک بار اسنے ملک سکاٹلینڈ کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جسکو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اسکو یہی خیال تھا کہ چونکہ مینے اسکی جنم پتری کے حساب کو خوب طرح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اسیوجہ سے یہ فائدہ ہوا ہے! اسکے شدت اعتقاد نجوم کی نسبت اسکے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہ روایت بھی کی ہے کہ اُسنے اپنی جنم پتری کی رو سے اپنی عمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ بس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے آپکو یہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا میری جنم پتری کا حساب غلط ہو جائے! اسلئے اسقدر بھوکھا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی بدھ مل گئی! اسکی تصانیف کے رسالے اور کتابیں طبیعات۔ ریاضیات۔ علم ہیئت فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاقیات

فرنگستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہندوستان وغیرہ میں اُتنی نہیں معلوم ہوتی۔

مہنت اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رہتے جوگیو نکا ذکر

اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جنکا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں! مگر ہیں یہ بھی عجیب لوگ! یہ ہمیشہ تمام ملک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا اُنکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے۔ اور بڑے رازداں ہونے کا ادّعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے۔ اور معدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھاے اور آسانی سے ہضم ہو جاے۔ اور صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰۔ منطق۔ نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہیئت وحقایق طبعیات۔ موسیقی۔ علم الادویہ فن تشریح وغیرہ میں بہ تعداد ایک سو بائیس ہیں۔ اور ان میں طرح طرح کے بیان ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیہ کے ساتھ اپنے مبالغہ آمیز تخیلات اور بیہودہ تصورات کو ان سب میں شامل کر دیا ہے۔ اور بسبب اِسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُسکے مزاج میں تلخی و تندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اسکو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اُسکو پکا یقین تھا کہ میرے سامنے ہمیشہ ایک ایسی روح جسکو میں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹیانیکا) س م ح۔

یہی نہیں ہے ۔ بلکہ اس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا ''سیمن میگس''[^1] بھی باوجود اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کر سکتا تھا یا نہیں ۔ وہ کسی شخص کے دل کا بھید بتلا دینے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ کو زمین میں گاڑ کر اُس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں ۔ اور پاؤ گھنٹہ سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لیکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کر دیتے ہیں جو کمرے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے اور بہت سے اور ایسے ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیان کی ضرورت نہیں ۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جو کچھ اِن شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دیسکتا ۔ میرے آقا نے اِن میں سے ایک کو بلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات بتلا دیگا تو میں تین سو روپیہ تجھے دونگا ۔ اور اس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھدونگا اسی وقت مینے بھی یہ کہا کہ اگر تو میرے دلکی بات بتلا دیگا پچیس روپئے میں بھی نذر کروں گا ۔ مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکا ۔ !!! ایک مرتبہ پھر مینے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس روپیئے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا ! اگرچہ

[^1]: Simon Magus اس شخص کا حال باوصف تلاش کے کہیں نہیں ملا ۔ س م ع

میں انکی ہر بات کی کنہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ میری بدقسمتی تھی کہ مینے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جا نکلتا تھا جسکو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہ عموماً میری بدقسمتی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کئے جاتا تاوقتیکہ مجھے یقین نہ ہو جاتا کہ اُسمیں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پھیری ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مینے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا! جس نے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا دوڑانے سے میں اُس شخص کو بتلا دونگا جسنے میرے آقا کا روپیہ چورایا تھا۔

جینی مت کے سادھوؤں اور انکی ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے فرقہ کے لئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں

لیکن بہر حال ایسے فقیر بھی ہیں جو اُن فقیروں سے جنکا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور انکی زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے! یہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر جا گرتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اسکے سوا اور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بہر صورت صاف معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک

۵۱ یہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کر کے بدن کو اس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں۔ س م ح

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا پیالہ[۱] ہوتا ہے۔ جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں۔ یہ اَور فقیروں کی طرح دُکان دُکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُنکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اور ان کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے۔

ان پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے مگر اس بات کو اس ملک کی رسم خیال کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اِن کے تقدس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گھروں کی عورتوں کے ساتھ ان فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُن کے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہ ہے کہ یہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلایا کرتا تھا اور ان سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے وہ یوں

[۱] یہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جسکے اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو انکی اصطلاح میں پاتر اور پاتری کہتے ہیں۔ س م ح

کہنے لگتے تھے "یہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ کا ذکر

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور اور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جوائے ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو بھی کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہان کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُس نے اور کئی بڑے بدیّا دان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ اجب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[۵۱] اور ہاروے[۵۲] کے علم تشریح کی معلومات جدیدہ کا حال سُناتے

[۵۱] ڈاکٹر پے کیٹ Pecguet ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر Montpeitier واقع فرانس کا تھا اس نامور محقق نے سن سولہ سو سینتالیس عیسوی میں
[۵۲] ڈاکٹر ولیم ہاروے Harrey قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سن پندرہ سو اٹھتر عیسوی

سنا تے تھک جاتا اور گیسینڈی اور ڈسکارٹس[†] کے فلسفہ پر دھبکا سینے

بقیہ حاشیہ نمبر ا صفحہ ۲۰۵ - میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبا و متقدمین کے یہ نئی بات نکالی کہ جگر کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق ماساریقا سے صفوت کیلوس اول بشکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہو کر قلب کے دائین خانہ میں جا کر مبدل بہ خون ہو جاتی ہے - !!!

بقیہ حاشیہ نمبر ۲ - صفحہ ۲۰۵ - شہر فوک ستون[(1)] واقع صوبہ کینٹ[(2)] میں پیدا ہوا - انیس[19] برس کی عمر میں کیمبرج[(3)] کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے شہر پاڈوا[(4)] واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ اس فن کا تھا داخل ہوا - اور بڑے بڑے نامی اُستادون سے تعلیم پا کر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی - سن سولہ سو پندرہ عیسوی میں یہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا ۔ اور یہاں اِسنے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا - اور کئی برس تک اپنے اور یورپ کے اَور ملکوں کے ڈاکٹرون کے ساتھ بحث مباحثے کر کے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا - ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس[(5)] اول کا طبیب مقرر ہوا اور اسکے بعد بادشاہ چارلس[(6)] اول کا بھی بہت ذی اعتماد رہا - اور جبکہ اسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون سن سولہ سو ستاون عیسوی کو اسّی[80] برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی! حقیقت یہ ہے کہ اِن دونون محققوں کے اِن نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے - (ماخوذ از اِن سائیکلو پیڈیا برٹانیکا - س م ح -

† ڈس کارٹس جسکو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکماے فرانس سے ہے جو سن پندرہ سو چھیانوے عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچاس عیسوی میں مرا - یہ پہلا شخص تھا جسنے علم مناظرہ مرایا کے مسائل کو دلائل ہندسی سے ثابت کیا - اور خواص مقناطیس کے باب میں تجربات کثیر حاصل کئے اور بسبب اپنی خاص رایون کے مجدد علم

(۱) فوک س ٹن : Folkstone (۲) کِ ے ن ٹ Kent
(۳) Cambridge (۴) Padua (۵) James (۶) Charles

اپنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھہ سال تک بالتخصیص میرا یہی شغل تھا) گفتگو کرتے کرتے تنگ ہو جاتا تھا تو اسوقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی۔ اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہانتک کہ اثناے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخر کار ہم اُس کی کہانیوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہو گئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶ - فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اسنے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ مدرک ہونے کے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اِن کو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر ہمکو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اِس کہنے سے ہمکو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اسکے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لئے کوئی علت ہو۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود نا ممکن ہے۔ اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا اسلئے ہم جو ایک مادی اور ناقص وجود ہیں اُسکی علت نہیں ہو سکتے اور اسلئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اُسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے اور جس وجود نے بذریعہ اپنے اس معلول کے ہماری نفس پر اپنا ایک نشان منقش کر دیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اُس علت کا وجود مراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہمکو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س م ج

ہندوؤں کے چار بید اور اُن کے نام | ہندوؤں کا یہ ادعا ہے کہ خدا نے جسکو

وہ اجر[۵۱] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں۔ ہمارے واسطے چار بید[۵۲] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جسکے معنی علم کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں اوّل بید کا نام اتھربن بید ہے دوسرے کا یجر بید تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید۔

۵۱ مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غالباً غلطی سے لفظ ایشر کو جسکے معنی خدا کے ہیں اجر سمجھا ہے۔ اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں قوسین کے اندر اُسکے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں۔ کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف مسمّی ارنیچ حرف تحمین قرشت کے تلفظ کے لئے مستعمل ہوئے ہیں اُنکا اکثر یہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چے یعنی جیم فارسی کا ہے س م ح۔

۵۲ جسطرح برہما کی عمر کا شمار بے انتہا برسوں سے کرتے ہیں اسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہ ادعا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد اُنکی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سن عیسوی قرار دیا ہے اور اُن کی اس رائے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جسکو سر ایڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ تشریح اسکی وہ یوں لکھتے ہیں کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ چرے کی ترتیب معلوم ہوئے اور اُس سے فرایض منصبی کے اوقات دریافت ہو جایا کریں۔ پس وہ صریح اور قطعی دلیل جسپر اُنھوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قایم کی ہے یہ ہے کہ جو مقام اس سرطان اور اراس جدی کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سن عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح۔

ہندوؤں کے چار برنوں اور اُنکے باہم شادی کے ممنوع ہونیکا ذکر

بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔ اوّل برہمن یعنی حاملان شریعت دوسرے چھتری یعنی جنگجو تیسرے بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنکو عرف عام میں بنیا بولتے ہیں چوتھے شودر یعنی دستکار اور مزدور۔ اور ان مختلف قوموں کو آپسمیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری کے ہاں شادی نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تناسخ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا بیان۔ اور اُسکی نسبت مصنف کی رائے

ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلہ کے قائل ہیں اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر چھتری اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور مور کا گوشت کھائیں کیونکہ ہندو اُن دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اس خیال سے کہ اُسکی دم پکڑ کر اُس دریا (یعنی بیترنی) سے پار ہونا ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے وقتوں میں ایسے قانون بنائے تھے اُنہوں نے مصر کے چرواہوں کو اسی طرح بائیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دم پکڑے ہوئے اور اُن کے ہانکنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لیے ہوئے دریائے نیل سے پار ہوتے دیکھا ہوگا! یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو اُن کی بڑی غذا

ہے اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ بیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے بیل اُنکی زندگی کے محافظ ہیں یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چرجاتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا جاوے تو تمام جانور فوراً نابود ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہجائے

گاؤکشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر۔

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لئے گاؤکشی کی ممانعت کردی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اُنہوں نے ایک ایسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اُسکی منظوری کی خاطر بہت سا نذرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو ملک کے بہت سے حصے ویران اور بے تردد رہے اسکی وجہ یہی تھی کہ بیل کم اور گران قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اجاراجوں کو جنہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہ اُمید ہوگی کہ گوشت کھانے کی ممانعت کردینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا اور جب اُنکو قطعاً یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپسمیں بھی بیرحمی کے مرتکب نہوں گے تناسخ

کا مسئلہ بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مارڈالنا یا کھا لینا بغیر کسی اپنے باپ دادا کے مارڈالنے کے ممکن نہیں ہے - اور اس سے بڑھکر اور کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے - اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک مین بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گاے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا -

ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ

بید کی بموجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر اور شام کو مشرق کی طرف موہنہ کر کے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے اور ٹھیرے ہوے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے !!! یہان غالباً پھر اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہوگا جسکا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ازبس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہ قانون انکے مناسب حال نہیں ہے - اور مینے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤن اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہ میسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے - بعض اوقات مینے اُن کے مذہب پر یہ اعتراض کیا کہ اسمین یہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سردی کے موسم مین

سر و ولایتوں میں عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سے میرے جی میں صاف یہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہ کچھہ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے انہوں نے یہ ہنسی کا جواب دیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں لا سکتے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ مینے انکو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنا ہے۔ اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے۔

برہما بشن مہیش کی پیدایش اور صفات کا بیان۔ بید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُس نے یہ تین دیوتا پیدا کئے برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا!!! برہما کے ذریعے سے اُس نے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلہ سے وہ اسکو قایم رکھتا ہے۔ اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کریگا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو رچا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چومکھی ہوتی ہے۔

بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان یورپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے

جنکو گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ تین وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے ۔

برہما بشن مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکے فہم سے مصنف کی قاصر رہنے کا ذکر

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت میںنے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سنا ہے - لیکن اُن کا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ انکی راے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی - بعض اُن میں سے یہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنکا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں - جنکو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُن کی اس جگہہ کیا مراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی (1) اور نیو مینا (2) دو نام لیا کرتے تھے اور میری راے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد ان الفاظ سے کیا ہے - ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہ دیوتا بمنزلہ اُسی جینائی اور نیو مینا کے ہونگے - بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو آنے پر یہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہ تین وجود ایک ہی خدا سے مراد ہے جو تین مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا - پالنے والا - اور نابود کرنے والا - لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ خدا بلحاظ ان تین علیحدہ علیحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے -

(1) Genii (2) Numina

برہما بشن مہیش اور ان کے اوتاروں کی بابت فادر روا نام ایک مشنری مقیم آگرہ کا بیان

فادر روآ (1) نے جو آگرہ میں ایک جرمن جلیسوٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا مگر ایک خدا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے۔ یعنی مجسم ہو کر دنیا میں ظہور کیا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ (2) فرقہ کے ایک پادری نے عمدہ طور سے اس بات کو تحقیق کر دیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں! ہندو کہتے ہیں کہ انکی تثلیث کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ دنیا میں اسوجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان سے لوگوں کو چھوڑایا۔ جسمیں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے۔ کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دیئتوں کی طاقت سے مغلوب ہو گئی تو بشن نے آدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر اوتار لیا اور دنیا کو نجات دی۔ اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے۔ یہ بات کسیقدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اوتار نے ایک دیئت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اڑ گیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اسنے آفتاب

(1) Father Roa (2) Carmelite.

کو ڈھانک لیا۔ اور جب یہ نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی بوجھ سے اسقدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا۔ اس قوی الجثہ دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے بشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے اور دُنیا کو اس بلا سے چھوڑ کر آسمان پر چلے گئے۔ اور چونکہ ان کے پہلو میں زخم آگیا تھا اسلئے وہ عموماً زخمی پہلو والے[۵۱] کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو یہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسوان اوتار اُور ہوگا۔ اور ہم عیسائی لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہ اُسوقت ہوگا جبکہ دجّال ظہور کریگا۔ ہندو کہتے ہیں کہ مہادیو بھی دُنیا میں آئے ہیں۔ اور اُنکی نسبت یہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی لڑکی جب سن بلوغ کو پہنچی تو اُسکے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور جب اُسنے یہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ تو مہادیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے

[۵۱] اگرچہ ہمنے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن پران کی جس کتھا سے ڈاکٹر برنی[؟] اُنے یہ مضمون لیا ہے اُس سے صحت اور تشریح اسکی کیجاے خصوصاً بشن سہنسر نام میں سے بشن کا وہ لقب صحیح کر کے لکھا جاے جس کے معنی بلحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں۔ مگر اطمینان کے لایق کوئی بات حاصل نہ ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اُسیطرح یہان بھی کچھ خلط مبحث ہوگیا ہے اور سری کرشن جی جو بشن کے اوتار تے کچھ تو انکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہے کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہ بیان مطابق نہیں ہوتا۔ (س م ح)

ساسنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پُر مسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل
شادی کرنے پر راضی ہوگئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلائے گئے
اور جب اُنہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی راے شادی کی نسبت نہیں ہے تو اُنہوں
نے اول اُنکی ڈاڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو مع راجہ کے خاندان کے
کے جلا کر بھسم کردیا اور اسکے بعد راج کنیاں سے شادی کرلی! البتہ جی
کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا[1] دوسرا[2] اسور کا
تیسرا[3] کچھوے کا چوتھا[4] سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی
برہمنی[5] کا چھٹا[6] شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں[7] مچھ کا۔ آٹھواں[8] جو اوپر بیان ہوچکا ہے
نواں[9] بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑے بہادر کا ہوگا[10]!
مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر روآ کو ہندوؤں کے مسائل
کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور اُنہوں نے جو کچھ مجھ
سے بیان کیا۔ بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے

[10] مصنف نے پادری روآ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہ مضمون لکھا ہے اسمیں
کئی غلطیاں ہیں جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ شیر
کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوئم یہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ
پادری روآ نے بیان کیا ہے۔ سوئم یہ کہ بغیر دم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین
اکبری میں بہت سی شرح و بسط کے ساتھ درج ہے! ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے
ہیں۔ اول پورن اوتار دوئم انش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی حسب الکمال ذات الٰہی کے
مظہر ہوئے ہیں۔ اور انش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ
شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُن کے دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق مانے
جاتے ہیں اول[1] مچھ دوئم[2] کورم یا کچھ سوئم[3] باراہ چہارم[4] نرسنگھ پنجم[5] بامن معروف باون ششم[6] پرسرام ساتواں
رام[7] یعنی رامچندر جی مہاراج اٹھویں[8] سری کرشن مہاراج نہم[9] بودھ دسواں[10] کالکی جسکا ابتک ظہور نہیں ہوا۔ اس طرح

مصنفؔ کے ایک رسالے اور فادر کرکر کی ایک کتاب کا ذکر۔

کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لبِ لباب تھا وہ فادر کرکر کی کتاب مسمی بہ چاینا ایلسٹریٹیا میں موجود ہے۔ اور فادر کرکر کو فادر روآسے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتدبہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اسلئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہ مجھے یہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن (یعنی ظہور ربانی بحیثیت اوتار) جسکو اُس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے مینے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتے کبھی نہیں سُنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے۔

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اسطرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں ان میں خدا ظہور فرما تا رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُس نے انہیں صورتوں میں پورے کئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں ان مختلف جسموں میں جن کا اوپر

China Illustrata Incarnation

ذکر ہوا ہے آتی رہی ہیں اور وہ ہی دیوتا ہو گئے ہیں۔ یا اگر قدیم بُت پرستوں کی اُن اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جائے تو وہ طاقتور دیوتا نیومینیا۔ جینیائی ڈیمن یعنی دیو خواہ یہ کہو کہ سپرٹ یعنی فرشتہ اور فیری یعنی پری بنگئے۔ کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کرسکتا۔

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جزو ہے۔

لیکن جب یہ خیال کیا جاوے کہ ہندوون کا یہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الٰہی کی جزو ہیں تو یہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی بن جاتے ہیں۔

بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راچھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں۔

بعض پنڈتوں نے یہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں ذکر ہے اِن کے معنی پوشیدہ ہیں اور اِن سے یہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں۔ نہ یہ کہ اِن کے لفظی معنی لئے جاویں۔

بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصے محض مذہبی افسانے ہیں۔

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہ کہا کہ اِن اوتاروں کے قصہ سے زیادہ لغو اور کوئی قصہ نہیں ہے اور اُن اچارجوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں اِن کو صرف اِس غرض سے ایجاد کرلیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے

مذھب کے پابند رہیں۔

آتما اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض۔

ہندوؤں کا عموماً یہ عقیدہ ہے کہ ہماری روحیں ذات باری کے جزو ہیں اور باوجود اسکے اِس منطقی برہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قایم کرتے اور اگشت اور نرک اور سرگ کو مانتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قومی اعتراض کے بھی پنڈت لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور اصلیت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ اُنکی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروریات سے ہے۔

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندوؤں کے علوم وفنوں کے باب میں ہیں

ہنری[1] لار صاحب اور ابراہام راجر[2] صاحب کا اُتنا ہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرز اور فادر روآ کا کیونکہ اگرچہ مینے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقایق جمع کئے تھے مگر بعد ازاں ان صاحبوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ انہوں نے حقایق وحالات مذکورہ کو ایک نہایت نظم وترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر بڑی مشقت اور جانکاہی کے میں اُس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اِس لئے میں ہندوؤں کے علوم وفنون کی نسبت بلالحاظ نظم وترتیب ایک سید ہے اور عام طور پر مختصر اً لکھتا ہوں۔

(1) Henry (2) Ibraham Rager.

شہر بنارس ہندوؤں کا دارالعلم ہے	شہر بنارس جو دریاے گنگا کے کنارے[۵۱]

ایک خوبصورت موقع پر اور ایک بڑے خوشنما اور نہایت زرخیز ملک میں واقع ہے۔ ہندووں کا دارالعلم خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہ ہندوستان میں اُسی مرتبہ کی جگہہ ہے جیساکہ یونانیوں کے لئے شہر ایتھنز[(۱)] تھا

[۵۱] مترجم انگریزی نے کرنل جارج فاسٹر[(۲)] صاحب نامی ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جسکو دلچسپ سمجھکر ہم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ قولہ۔ شہر بنارس اپنی دولتمندی اور عالیشان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بالفعل ہندووں کے قبضہ میں باقی ہیں اول درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس شہر میں ہندووں کے بیشمار دیوتاؤں کے بیشمار مندر ہیں اور یہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم وفنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستہ سے اس شہر کو آتا ہے تو اُسکو آٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہین۔ جسکو اورنگ زیب نے مہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا! ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہہ پر ایسی باشان وشوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبان حال اپنے غلبہ اور فتحمندی کو جتا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل مین یہ بیہودہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندووں کے مذہب کی تحقیر کرے۔ اگر فی الواقع اُسکی بھی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا!!! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے اکثر مکانات اس شہر میں پتھر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھہ منزل اور کوئی سات منزل کا ہے۔ یہ پتھر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اس قسم کا ہے جو فرنگستان میں پورٹ لینڈ[(۳)] کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے گلی کوچے جنمیں یہ اونچی اور مستحکم عمارتین بنی ہوئی ہیں ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہین چل سکتین۔ علاوہ اُس ضرر جلیس کے جو ان مکانات کے بے ڈھنگے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم

(1) Ahens (2) Georgefaster (3) Partland.

بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود و باش اور تعلیم و تعلم کا بیان

یہاں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں - اس شہر میں ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ قدیم زمانہ کے مکتبوں کی سی حالت ہے - اُستاد یعنی پنڈت شہر کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کی بڑے بڑے ساہوکاروں نے ان کو اجازت دے رکھی ہے رہتے ہیں - بعض کے پاس چار شاگرد ہوتے ہیں بعض کے پاس چھ یا سات - اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُسکے پاس بارہ یا پندرہ مگر اس سے بڑھکر تعداد نہیں ہوتی - یہ ایک معمولی بات ہے کہ یہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں اُن کی تعلیم بہت آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰ - میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہہ بھرا رہتا ہے ناقابل برداشت بو آتی ہے اور یہی پانی مع اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوایج ضروریہ کے لئے مختص ہے - اسکے علاوہ میل کچیل جو شہر اپنے گھروں سے نکالکر گلی کوچوں اور راستوں پر ڈالدیتے ہیں اُسی جگہہ پڑی رہتی ہے کیونکہ ہندوؤں میں مہتر اون بہت ہی کم ہے - اور یہ ایک اور ذریعہ ہے جو اور بدبوؤں میں شامل ہوکر باعث کثرت عفونت ہوجاتا ہے - یہ شہر اپنی عمدہ عمدہ عمارات کے سبب سے اُن تمام بڑے بڑے شہروں پر فوق رکھتا ہے - جنکے دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے - بشرطیکہ اُسکی گلیاں ایسی بیقاعدہ اور تنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہوتا جسنے عمارات شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کھو دیا ہے - س م ع

ہندوستانیوں کی طبیعت زیادہ تر انکی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوشش وغیرہ ہی ہوتا ہے اور نہ یہ امید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ کمال حاصل کرینگے تو کوئی بار آور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے یہ لوگ معمولی اور سست طور پر اپنی تحصیل کو جاری رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں انھیں کھانے کو صرف کھچڑی ملتی ہے جو بعض دولتمند ساہوکاروں کی طرف سے ان کے لئے تیار ہوا کرتی ہے۔

زبان سنسکرت اور اُسکی قدامت کا بیان

سب سے اول سنسکرت سکھائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جسکو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں۔ اور اُس بولی سے جو آجکل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے۔ فادر کرد کرونے جو ایک الف بے سے تے چھپوا کر مشتہر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں اور اُن کو یہ حروف فادر روآ سے حاصل ہوئے تھے۔ لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا منجھی ہوئی زبان کے ہیں۔ اور چونکہ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ خدا نے چار بید برہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اسلئے وہ اسکو دیو بھاشا یعنی زبان مقدس و زبان الٰہی کہتے ہیں۔ اُن کا قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ انکی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پرانی ہیں۔ اسی زبان میں ہیں اسلئے اسکے غایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے۔ سنسکرت

ہیں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور اِن کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پورانوں کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کمیابی وغیرہ کا ذکر۔

جب طالب علم اس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں ایسے مشکل اس وجہ سے کہتا ہوں کہ اسکی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو عموماً پرانوں کو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار ہوتا ہے۔ یہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو انکو بڑی ہوشیاری سے چھپائی رکھتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر[۵۱] ہوا ہے جلادی جائیں۔

۵۱ "اکثر ہوا ہے" کہنا صحیح نہیں ہے۔ مولف کتاب آئینہ تاریخ نما جو زمانہ حال کے قابل لوگوں میں سے جین مت کا ایک بہت باخبر ہندو مصنف ہے اور جسکا طرز تحریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے اُن کے عیب چُن چُن کر اپنی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اسکو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب فتوحات فیروز شاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ "کچھ ہندوؤں نے ملکر موضع کوہانہ میں بت خانہ بنایا تھا۔ پس مینے (یعنی فیروز شاہ تغلق نے) حکم دیا کہ انکی پوتھیاں اور تمام بت اور پوجا کے برتن سب اسی جگہ پھونک دئے جائیں" اگر ہندوؤں پر کیا منحصر ہے فیروز شاہ نے تو شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلوا دیں تھیں

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر

پرانوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اسمیں ترقی بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ تو میں پہلے ہی لکھہ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں۔ اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسیٹوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ ان کو مطلقاً نہیں ہوتا۔

گہٹ شاستر اور اُن کے پیروؤں کا بیان

ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج (حکیم) ہوئے ہیں اُن میں چھہ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ + چھہ فرقوں کے بانی ہیں۔ اور اس اختلاف عقائد کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳ - لکہتا ہے کہ "فرقہ شیعہ کے بعض لوگوں نے اہل سنت کو اپنے مذہب میں لانا چاہا تھا اور کتابیں اور رسالے بھی اس باب میں لکھے تھے۔ تب میں نے (یعنی فیروز شاہ نے) ان سب رافضیوں کو گرفتار کیا اور جو جو اُن کے سردار تھے اُن کو سیاست میں ڈالا۔ اور اُن کی تمام کتابوں کو آگ سے جلوادیا۔ اور سیوچ الذکر مولف اس سے چند صفحے پہلے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وہ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں بختیار خلجی نے شہر بہار کو جب فتح کیا تو ہندوؤں کا وہاں ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا۔ لیکن قتل عام ہوجانے کے باعث سے کوئی آدمی اُن پوتھیوں کا مضمون بتانے والا نہ مل سکا" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بختیار نے اُن پوتھیوں کو جلوایا نہیں بلکہ برعکس اسکے وہ ان کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ س م ح۔

+ مصنف نے جن چھہ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ اول میمانسک[۵۱] یعنی میمانسا۔ شاستر کے پیرو جسکی بنیاد جیمنی[۵۲] رشی سے ہے۔ اسکی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمنی کے اصول کی پیرو ہے۔ دوسری جدید جسکا بانی بیاس[۵۳] جی کو بتاتے ہیں اور بیدانتی کہلاتے ہیں۔ تیسرا نیائک[۵۴] یعنی منطقی فرقہ جسکا بانی گوتم[۵۵] ہوا۔ اس فرقہ کے بعض مسئلے

۵۱ م ے م ان س ا ۵۲ ج ے م ن ی ۵۳ ب ی ا س ۵۴ ن ی ا ر ک ۵۵ گ و ت م۔

باعث اُن کے پیروؤں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثے رہا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں۔

بودھمت اور اسکے پیروؤں کا ذکر

اور ساتواں فرقہ بودھ کے پیروؤں کا ایک اور ہوگیا ہے۔ جسکی بارہ شاخیں ہیں۔ لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں اُسقدر کثرت سے نہیں ہیں جیسے اَور فرقوں کے ہیں۔ اور ان کو حقارتاً لامذہب اور دہریہ کہا جاتا ہے۔ اور قابل نفرت اور حقیر شمار کیے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو اُنہیں سے مخصوص ہے۔

پیدائش موجودات کے باب میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر

ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اُصول ومبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

بعضے اجزاے لایتجزیٰ کو کائنات کی اصل مانتے ہیں

چنانچہ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے۔ اور یہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا غیر متخلخل اور ٹھوس وغیرہ ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں۔ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴۔ فرقہ کے بعض مسئلے ارسطو کے مسائل منطق سے ملتے جلتے ہیں۔ چوتھا ہنے شے شک جسکا بانی کناد مُنی ہے پانچواں سانکھ جسکا بانی کپل منی ہوا۔ چھٹا۔ جوگی یعنی پاتنجل شاستر کا پیرو جسکو پاتنجل رشی نے قائم کیا۔ یہ دونوں فرقے موخرالذکر بہت سی رایوں میں متفق ہیں۔ ان سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر کسیکو دیکھنی ہو تو انفسٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اس سے بھی زیادہ شیخ ابوالفضل کی آئین اکبری میں دیکھ لے۔
س م ح۔

اس خیال سے پردہ اپنے اور بہت سے تصورات کی بنیاد قایم کرتے ہیں جو کسی قدر ڈی ماک ری ٹس [۵۱] (ذیمقراطیس) اور اپی کیورس کے خیالات
Epecurees Democritus
سے مشابہ ہیں - لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور ناتحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مطلب سمجھنا مشکل ہے - اور خواہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں - لیکن اگر ان کی بیحد نافہمی پر غور کیا جائے تو اسمیں محل شبہ ہے کہ آیا یہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل مصنفوں سے منسوب ہونی چاہیئے یا کہ اُنکے ان مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہو سکتی ہے -

---

[۵۱] یہ مشہور یونانی حکیم جو سن عیسوی سے چار سو اکتہر برس سے پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اسکی تقلید کی ہے اور علوم حکمیہ اس سے سیکھے ہیں - چنانچہ اپی کیورس بھی جسکا ذکر متن میں ہے اسی کا شاگرد تھا - اس کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ اُنکی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے - اور یہہ کہ یہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر جسکی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دوایم الحرکت ہیں - پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہان کا وجود ہے ! اور یہ کہ ہمارے اس جہان کی مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلاء غیر متناہی کے اندر موجود ہیں - لیکن اسکی راے میں امورات جزی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزاء مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہو جانا نہیں ہے - اسکے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی راے ہے اور اسکا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہ اجزا حقیقتاً آپس میں مل نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چمٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر بالفعل موجود اور ایک دوسرے سے متمیز رہتے ہیں - پس اجسام محسوسہ کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے بلکہ صرف ان اجزا کے باہم چمٹے رہنے کا نام ہے - ماخوذ از ناسخ التواریخ - س م ح -

بعضے مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں

بعض کا قول ہے کہ ہر چیز بے ٹر[1] اور فارم[2] یعنی مادہ صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کرسکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کرسکتے ہیں۔ بہرحال اُن کا بیان صرف اسیقدر قابل فہم ہے کہ اس سے مجھے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ لوگ اِن دونوں میں سے کسی ایک کو اتنا ہی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہمارے مدارس میں جبکہ قوت مادیہ میں سے صورت نوعیہ کی ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علمونکو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ملایم مٹی بطور مادہ کے ہے اور کمہار اُسکو پھر اکر جو طرح طرح کی شکلیں بنالیتا ہے یہ صورت ہے۔

بعضے عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں

بعض کی یہ راے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور دو نتھنگ[3] (نَتھِنگ)، یعنی اکاش سے مرکب ہے لیکن وہ عناصر کے استحالہ یا آپسمیں مل جانے کی نسبت کچھ نہیں کہتے۔

لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔

اور نتھنگ یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرائی ویشن[4] یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

بعض کے نزدیک نور ظلمت اصل اوّل ہے۔

بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اوّل مانتے ہیں اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بےمعنی دلائل پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طول طویل قیل وقال کرتے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں۔

بعض کے نزدیک ایک یا چند برائی وپشن ہی اصل اصول ہیں

بعض ایک یا چند پرنی وپشنوں ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جنکو وہ ٹھنگ سے جُدا سمجھتے ہیں اور جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر اِن کے مصنفوں نے قلم اُٹھا کر کچھہ لکھا ہو۔ اور اِسلئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اِنکی کتابوں میں یہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

بعض سمبندھ ہی کو اصل سمجھتے ہیں

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو پنڈت لوگ سمبندھ کہتے ہیں۔ اور اِسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لایق ہوتی ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک اصول ومبادی اشیا ازلی وابدی ہیں۔

اِن تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ ازلی وابدی ہیں۔ اکاش سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اچارج نے اِس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔

ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر۔

علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجاے اسکے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو اِن کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور اِن میں سب سے پُرانی اور بڑھی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونیکا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنف کی رآے

میں اُس طرز کو بیان کرتا ہوں جسمیں کہ اُن کا طریق علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجۂ ذیل مسلمہ اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گُردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیے۔ ! اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض معالجات ہندوؤنکی طرح کرتے ہیں۔

اور مغل اور اور مسلمان طبیب جو ابوعلی سینا اور ایوروس (یعنی ابن رشد)[۵۱] کے پیرو ہیں

[۵۱] ابن رشد کا نام محمد تھا اور اپنے اجداد میں سے رشد نامی ایک شخص کی نسبت سے محمد ابن رشد

وہ بھی ہندوؤں کی طرح اُن طریقوں۔ خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے۔ کیونکہ جہاں اُنکو مندرجہ بالا ورام کا اندیشہ ہوتا ہے عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلوا ڈالتے ہیں اور یہ عمل وہ گو آ اور پیرس کے زمانہ حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطبا کی طرح اٹھارہ یا بیس اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلوا ڈالتے ہیں یہانتک کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہو جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹ - کہلاتا تھا۔ یہ اِن لوگوں کی نسل میں سے تھا جنھوں نے سن ترانویں ہجری مطابق سات سو گیارہ سن عیسوی میں ملک اسپین کو فتح کر کے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا۔ یہ ملک اسپین کے مشہور شہر کاردوآ (قرطبہ) میں جہاں اسکے باپ دادا قاضی رہے تھے سن پانسو بیس ہجری مطابق گیارہ سو بیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ یہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا۔ اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ اسکے زمانہ میں علم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا۔ اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں۔ چونکہ اسنے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اسلئے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا۔ بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کیوجہ سے لوگوں نے اسکو الحاد سے منسوب کر کے اسکو اسکے مولد کاردوآ سے جلاوطن کرا دیا تھا۔ مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور دربار مراکش (مراقو) میں پھر آ حاضر ہوا۔ جہاں کہ وہ سن گیارہ سو اٹھانویں یا ننانویں عیسوی مر گیا۔

ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران) م ح

پس وہ گیلین[۵۱] (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ مینے اکثر دیکھا ہے بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں۔

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت

یہ بات کچھہ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگین دکھلاوں جنکو ہیکیٹ نے دریافت کیا تھا اور جنمیں ہوکر کیلوس کا خلاصہ قلب کے دائیں خانہ میں پہنچتا ہے تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہوکر بھاگ جاتے تھے۔ مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض نا آشنا ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کے

[۵۱] - کلاڈیس اس گالی نس جسکو انگریزوں نے گیلین اور عربوں نے جالینوس بنایا ہے۔ ملک اٹلی کے شہر پرگمس کا رہنے والا تھا۔ یہ نامور شخص سن ایکسو اکتیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور نوے برس کا ہوکر مرا۔ جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم ہیئت میں بہت سرآوردہ اور دقایق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا۔ جالینوس نے سترہ برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر کو پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیے۔ مگر اس نے صرف انیس برس کی عمر میں اول ایک استاد سے جسکا نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اس زمانہ کی بعض اور مشہور ومعروف حکما سے جو فن تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے ان فنوں کی تعلیم پائی ابھی بیس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اسکا وہ پہلا رہنما اور شفیق استاد مر گیا۔ بعد ازین اسنے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علماے فلسفہ وطب مشہور تھے سفر کیے اور آخر کار شہر

[۵۱] ک ل اڈ ی اُ س گ اَ لِ ی ن س [۵۲] گ ے لِ ی ن [۵۳] پ ر گ م س

(3) Pergarmus (2) Galen Galenus Claudius

جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے انہوں نے ان کا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر علم ہیئت کا یہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاندگہن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی معنی اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راچھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے۔

ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱۔ اسکندریہ میں جا کر بعض اُستادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہو گیا کہ جو علوم اُس زمانہ میں استادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آکر انتیس برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اُسنے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جنکے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ بتیس برس کی عمر میں اُسکے شہر میں کچھ بغاوت ہو گئی تھی اسلئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں پھر آکر آخر کار روم میں ہی جا ٹھیرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُسکی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قایم کر گیا ہے کہ ابتک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مُردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

اونچا ہے ۔ اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اُس سے انسانوں کے دماغ میں آمرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اُترکر آگے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے ۔ چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لایق ہو جاتے ہیں ۔

ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں

اِن کو یہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہ سب دیوتا ہیں ۔

خیالی پہاڑ سُمیر کا ذکر

اور جب سورج سُمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے اُسوقت رات ہو جاتی ہے ۔ سُمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جسکو فرض کر لیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے ۔ اور معلوم نہیں کے ہزار کوس بلند ہے ۔ پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹکر نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا ۔

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر ۔

علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲ - لیکن وہ اپنے وقت میں یکتا ے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اسمیں ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا ۔
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح ۔

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے۔ اول ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اول درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُن سے کم درجے کے دیوتا ہیں۔ اور اسیطرح باقی ولائتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں۔ اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں۔ ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا بہت سے ہاتھیوں[۵۱] کے سروں پر اٹھائے ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے۔

ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیمعنی باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو مینے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ اِن کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں۔ اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اس امر پر

۵۱ ہاتھیوں کے سروں پر دنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی۔ البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اِس دنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے! اور ایک عام روایت یہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہ پرتھوی قائم ہے۔ اور جب وہ اِس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے۔ س م ح۔

مائل کرنے میں دقت پیش آئی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی تھی بشرطیکہ میں ان باتوں پر غور نکرتا کہ اول تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدتہاے دراز سے ایک ایسی زبان ہو گئی ہے جسکو کوئی نہیں بولتا۔ اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اسکو سمجھتے ہیں اور اسکی اصل نہ معلوم ہے۔ غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے۔[۵۱]

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھہ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات

جب میں دریاے گنگ سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں ہو کر گزرا اور ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دار العلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اسکی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اُسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی پوشاک یہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے۔ جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے۔ اور ایک کسیقدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میں نے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

۵۱ مصنف کے نزدیک یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ س م ح۔

کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ میرے آقا کے پاس اس امید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کر کے اسکی پنشن بحال کرا دے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی دینداری دکھانیکا بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کر دی تھی! مینے اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کر لی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُس سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دکھانے لیگیا جہاں اُس نے اور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بلا لیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی رائے بت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے انسان کے نزدیک بھی خلافِ عقل ہے اور آپ جیسے اچارجوں کے شایاں نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف مورتیں مثلاً برہما مہادیو۔ گنیش۔ اور گوری کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ اور ان کی مورتوں اور علاوہ بریں اور بہت سے دیوتاؤں کی مورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی زعفران خوشبوئیں اور ایسی ہی چیزیں انپر چڑھاتے ہیں مگر باوجود اس کے

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یہ مورتیں خود برہما یا بشن ہیں - بلکہ یہ قریب قریب اُن کی اصلی مورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم اِن کا ادب صرف اُس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہ مورتین ہیں - اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کیلئے ہمارے مندروں میں مورتیں اِسلئے رکھی جاتی ہیں کہ دل کو قایم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جاوے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہوسکتی - لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے - اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑھکر ہے - پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا مینے اُسکو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا - لیکن مجھے شک ہے کہ اُنھوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھالکر بیان کیا تھا کہ جو رومن کتیھلک [۵۱] فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جاوے - کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے

عمر دنیا کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان - پھر مینے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اسکی قدامت ظاہر کی - یہ تو

۵۱ تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنے طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور بطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور انکو مقدس جانکر انکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دیپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اُس آیت پر عمل نکیا جو لکھا ہے "تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہے تو اول اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہو اُسکو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی برائی کبھی نہیں معلوم ہوتی - اور اسکی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر متوجہ اور مائل رہتی ہے اور اُن کے ہنر اور خوبیاں بھی اُسکو برائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں - س م ح -

نہیں کہا کہ دنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر جو عمر اُنہوں نے بتلائی۔ اُس سے
ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اُسکو قدیم سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بیان تھا کہ دنیا کی
عمر چار جگوں سے شمار کیجاتی ہے اور اُن کا جگ ہمارے قرنوں کی طرح سو برس
کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جگوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں۔ جو جو عمر اُنہوں نے
ہر جگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی لیکن
ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جگ یعنی ست جگ پچیس۲۵ لاکھ برس تک رہا۔
پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جگ رہا۔ پھر اگر میری کچھ غلطی ہو تو
آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دُواپر جگ رہا۔ اور یہ میں بھول گیا کہ چوتھا
یعنی کل جگ جو اب ہے کتنے لاکھ برس تک رہیگا۔ پنڈتوں نے کہا کہ پہلے
تین جگ اور بہت سا حصہ چوتھے جگ یعنی کل جگ کا گزر چکا ہے۔ اور
جس طرح کہ ان جگوں کے خاتمہ پر دنیا قایم رہتی رہی ہے۔ چوتھے جگ کے ختم
ہونے پر ایسا نہ ہوگا بلکہ دنیا "مہا پرلے" ہوکر نابود ہو جائیگی۔ اور تمام چیزیں اپنے اپنے
مبدا کی طرف عود کر جائیں گی۔ جب مینے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا
کہ وہ دنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو اُنہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا
مگر جب مینے دیکھا کہ وہ بیچارے اسمیں بالکل اُلجھے ہوے ہیں اور صرف
لاکھوں کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو مینے اپنے تئیں اسی عام
واقفیت پر مطمئن کر لیا کہ یہ دنیا نہایت ہی قدیم اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے
جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہات پوچھتا ہے جن سے کہ دُنیا
کے بیحد پرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بیفائدہ

افسانے سنانے لگتا ہے۔ اور آخر یہ کہدیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے[۵۱]۔

دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

پھر میں نے اُن کے دیوتاوں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُنکا بیان نہایت منتشر پایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں۔ نیک۔ بد۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہ راے ہے کہ وہ بیاپک ہیں۔ اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے۔ ہماری روح بیاپک ہے۔ اور جو چیز بیاپک[۵۲] ہے وہ لازوال ہے) اور زمان ومکان سے مبرّا و منزہ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُسکے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الٰہی کہتے ہیں اور بعض کی یہ راے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ شریر کا مسئلہ جو شاستروں میں ہے اسکی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُن سے لنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو اُنکے بعض مصنف مانتے ہیں۔ مگر جو واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدائے آفرینش

[۵۱] عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ توریت مقدس کا حوالہ دیں دُنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔ س م ح

[۵۲] فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک "با ہمہ و بے ہمہ" کے مرادف المعنی سمجھنا چاہیئے۔ س م ح

سے انکا وجود چلا آتا ہے - اور وہ ادھر اُدھر بکھرے ہوئے اور دوسرے مادوں میں ملے جلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ نباتات یا درخت یا حیوان جسکے وہ بیج ہیں - لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُن کے جدا جدا اجزا اُسیوقت صاف طور پر نظر آسکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب جگہہ پر لائے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں ہوں اور ترقی پائیں - پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شریر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزا میں کامل ہے - علیٰ ہذا القیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شریر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ معرفیہ کو حاصل کرسکے -

وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر

اب میں آپکو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں - تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غل تھا یہانتک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہان کے بیٹوں دارا شکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشین کردیا تھا - آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکما لائف گوِنگ پرنسپل Lifegireng Principle یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف مسئلہ کے قائل ہیں اور اُن کا قول ہے کہ ہم تم جتنے جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں - چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہمپر یہ بات ظاہر ہوجائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

کی طرف مائل تھے - اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہے اور یہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر علماء ایران کے باہم لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں - اور جسکو گلشن راز[۵۱] میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے[۵۲] فلڈ کی بھی یہی رائے تھی جسکو ہمارے نامور گیسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے - یہ

۵۱ اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب چبستر نام ایک گانو کے رہنے والے اور مشاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے - یہ کتاب اُنہوں نے سن سات سو سترہ ہجری کے ماہ شوال میں بعض مشایخ خراسان کی فرمایش سے تصنیف کی تھی جیسا کہ خود اُنکے اس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گذشته هفت ده از هفتصد سال ز هجرت ناگهان در ماه شوال" یہ کتاب بڑے رتبہ کی سمجھی جاتی ہے - اور اسلئے اکثر بزرگوں نے اسکی شرحیں لکھی ہیں - لیکن شرح موسوم بمفاتیح الاعجاز جو سن آٹھ سو ستر ہجری کے خاتمہ میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ لاہیجانی ہیں - جو فقرا کے سلسلہ نوربخشیہ کے بانی سید محمود نوربخش کے اعظم خلفا میں سے تھے - سب سے عمدہ سمجھی گئی ہے چنانچہ علامہ قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے - کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھکر دیکھنے کے لئے ملا عبدالرحمن جامی کے پاس ہرات میں بھیجا تو انہوں نے اپنے جوابی خط کے شروع میں اپنی یہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی "اے فقر تو نوربخش ارباب نیاز + خرم ز بہار خاطرت گلشن راز + یک رہ نظرے بر سر تسلیم انداز شاید کہ برم رہ بحقیقت ز مجاز" س م ح

Robert Fludd.

۵۲ رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور سن پندرہ سو چوہتر عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پیرو تھا جو یہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری روحیں بیندہی اُس مبداء فیاض سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں سے گوناگوں استفاضہ معلومات اور اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں - اس شخص کے تخیلات کا بیان جنکا وہ معتقد تھا مختصر طور پر کرنا بہت

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہوس لوگ اکثر اُسکے سبب سے خراب وبرباد ہوئے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خُدا یا اس اعلیٰ وجود نے جسکو وہ اپنی زبان میں اَکیشر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اُسیطرح اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامّہ کا وجود معاً مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصور کرتے ہیں جیسے مکڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُسکو سمیٹ لیتی ہے۔ پس ان خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے۔ یا یہہ کہ ایک مکڑی کا تار ہے جو اُس نے اپنے اندر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱۔ مشکل ہے چنانچہ منجملہ اُن کے اُسکا ایک یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو مؤثر سمجھتا تھا۔ ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور انپر کتنے ہی جنات کو موکل جانتا تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا معتقد تھا کہ مکرا کوزم[1] کو جسکا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جا سکتا ہے۔ میکرا کوزم یعنی عالم کبیر یا نیچر[2] سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اسکے معتقدات خواہ کیسے ہی فضول اور لایعنی تھے مگر چونکہ اُس نے انکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا اسلئے اُس زمانہ کے حکما کو بالضرورۃ انکی نسبت متوجہ ہونا پڑا یہانتک کہ اول کیپلر[3] نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اسکو تردید میں سن سولہ سو انتیس میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح۔

(۱) Microcosm (۲) Nature (۳) Kepler

سے نکالدیا ہے - اور فنا یہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی میں کھینچ لے - چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پرلے یا مہا پرلے سے کہتے ہیں - اور جسکی نسبت اُنکا یہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہو جائینگی خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُس نے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیئے تھے بالکلیۃً اپنے اندر کھینچ لیگا - اسلیئے اِنکی راے ہے کہ جو کچھہ ہم دیکھتے یا سنتے یا سونگھتے یا چکھتے یا چھوتے ہیں اِن میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف ایک خواب وخیال ہے - پس جو طرح طرح کی چیزیں بذریعہ حواس ظاہری محسوس ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں - یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس سو اور ہزار کے اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ مالک ہی عدد ہے - لیکن اگر تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الٰہی کے پھیل جانے اور پھر سمٹ جانیکی کچھہ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ دریافت کرو - یا یہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیاپک اور غیر متغیر ہے تو پھر کسطرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہو گیا ہے تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کرینگے - مثلاً یہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر کے ہے جسمیں بہت سے بلبلے تیرتے رہتے ہیں - خواہ یہ سب بلبلے کہیں سے چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ بیٹھہ جائیں تو جس پانی سے وہ سب بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا - [۱]

[۱] مترجم کہتا ہے کہ اِس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے :

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بیشمار شیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُنکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہوکر اُن چیزوں پر پڑتی ہے غرضکہ وہ تمہیں ایسی ایسی ناقابل تشفی تشبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھہ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے فریفتہ کرنیکے لایق ہوتی ہیں۔ ٹال دینگے۔ اور تمہارا جواب شافی کی اُمید کرنا بیفائدہ ہے۔ اگر کوئی اُنکو یہ جواب دے کہ مثلاً جو حباب ایک پانی پر ہیں۔ اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی پانی ایک نہیں ہیں۔ اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے لیکن سب جگہہ وہی نہیں ہے۔ اور اعلیٰ ہذا القیاس تمہارے ان تمام تصورات پر اور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور اور استعاروں کو دے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے خط کا خاتمہ

اب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف و ہراس کے جسکا پینے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوہمانہ اتقا اور ہمدردی کے خیالات کے جو سورج کو اُس بدطینت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی پاٹھہ پوجا اور آشنان اور پن دان اور خیراتوں کے جو برہمنوں کو دیجاتی یا دریاؤں

دریا سے حباب کیسے ہے سدا تو اور نہیں ہیں اور نہیں ÷ مجھکو نہ سمجھہ اپنی سے جدا تو اور نہیں ہیں اور نہیں

مین پھینکی جاتی ہین - اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جرأت کے کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ ہی جل کر مرجاتی ہین کہ جنسے اُنکی حیات مین وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تہین - اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال واشغال کے - اور سب سے اخیر مین بلحاظ بیدوں اور ہندوونکی پوتھیوں کی اُس تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چین اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اُٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے ایسے ایسے سرنامے وغیرہ گھڑنا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہین - مگر میرا یہ خط جو میرے اِن دور دراز سفروں اور اسقدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود مال ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو مین اسکا عنوان قرار دوں تو کیا مین ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا ؟ اور وہ الفاظ یہ ہین کہ "کیسے ہی فضول اور بیمعنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل مین جگہہ پا ہی جاتے ہین -

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چےپل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط[۵۱] اُن کے حوالہ کر دینگے - یہ چیپل صاحب ہی تھے جنھوں نے پہلے پہل آپ کے نامور اور دلی دوست گیسینڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق مین بہت ہی مفید ہوئی ہے - اُنکی اس عنایت کا مین اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھکو لیجائیگی مجھے محبت کے ساتھ وہ ہر جگہہ یاد رہین گے !

مین آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں - اور نہ صرف اسوجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے مین عمر بھر آپکا ادب کرتا رہونگا - بلکہ اس سبب

۵۱ اس سبب سے کہ اس خط مین ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اسکا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے - سا ح

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جنسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی - اور میں اس باعث سے بھی آپکا بڑا احسان مند ہوں کہ آپنے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دنیا کے اس بعید حصہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لئے عمدہ عمدہ کتابیں بھیجدی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے مینے کتب مذکورہ کے لئے درخواست کی تھی - اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیلس Marseilles میں میرے زرامانتی سے مل سکتا تھا - اور جن پر بلحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیجدیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کئے گویا کہ اُنھوں نے مجھے ایسا گیا گزرا سمجھ لیا جسکا پھر کبھی مونہہ ہی نہیں دیکھنا -

A letter to Monsieur De La Mothe le Vayer

مُصنّف کا خط بنام مُانشیُور ڈی لاماتھی لی وے اَز

جسمیں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور

ہندوستانی لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج

کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی ۱۶۶۳ء مقام دہلی

صاحب من - میں خوب جانتا ہوں کہ جبوقت میں فرانس کو واپس آؤں گا تو سب سے پہلے آپ مجھسے یہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس ملک کے دارالسلطنت شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا کیا حال

ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اول انہیں امور کا بیان کرتا ہوں۔ اور اُنکے ضمن میں بعض اور حالات بھی گزارش کرونگا۔ جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالباً اُنکو بھی عجیب تصور کرینگے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونیکا سبب

اِن دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے یہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہ کہتے دیکھکر کہ اِن دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی خوش وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی۔ لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا امسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لائق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بفرض امکان اس امر کے کہ یہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جارہیں تو اُنکی عمارات کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہوگا بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اُس ملک کی سرد آب و ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں ہندوستان کی گرمی اسقدر شدید ہے کہ کوئی اَور تو کیا خود بادشاہ بھی پاؤں کی حفاظت کے لیے پاتابے نہیں پہنتا۔ اور صرف ہلکے سلیپر کیطرح کی ایک چیز پہنتا ہے۔ جسے "پاپوش" کہتے ہیں۔ اور سر کی محافظت کے لئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے۔ اور اَور لباس بھی ایسا ہی

ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے تاجر اور اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جسکو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلّے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈومینس مع اپنے بند وضع اور بیشمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُن میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ یا رات کو جبکہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟! فرض کیجئے کہ ایک شخص گھوڑے پر پھر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادھموا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول پسینہ میں تر بتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اسکو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں ایسے کمرہ میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے اُترکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا لیموں کا شربت پی لینا اور کپڑے اُتار کر اور مونہہ ہاتھ دھوکر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمتگاروں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی کا ذکر — اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ

خود غور کر سکیں گے کہ یہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لئے پرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام شاہجہان آباد[۵۷] یا اختصار کے لئے "جہان آباد" رکھا۔ اور اِسکے دارالسلطنت بنانیکے لئے یہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لایق نہیں ہے لیکن اِس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لئے اکثر مصالحہ پرانی دلی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں! لیکن ہندوستان میں اکثر یہ بنا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے! بہرحال آسانی کے لئے مینے بھی اہل یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے پر جو لوائر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جدہر دریا کے سبب سے (جسپر کشتیوں کا پل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے! اور اگرانُ برجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوے ہیں اور اُس پیچھے[۵۸] پشتے

[۵۷] شاہجہان نامہ میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ھ اور ۱۶۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخ نہیں سے جو شعرا نے اسکی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہ مادہ پسند آیا "شد شاہجہاں آباد از شاہجہان آباد" جسکو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر میر یحییٰ کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح

ہے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر کیجائے تو یہ بہت نامکمل ہے۔ کیونکہ نہ تو اسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اور بچاؤ کا سامان ہے

یہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اسکی وسعت اسقدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں! کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اسکے گرداگرد پھر گیا ہوں۔ حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نہ تھی[51]۔ میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں۔ اور بہت دور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اسمیں شامل نہیں کرتا۔ اور نہ پرانی دلّی[52] کے اس بیشمار

[51] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرات آفتاب نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سنہ ۲۴ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۶۰ھ موافق سنہ ۱۶۵۰ء شاہجہاں کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوکر یہ فصیل تیار ہوئی۔ مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہ سے گر پڑی اسواسطے از سر نو چونہ اور پتھر سے بننے کا حکم ہوا۔ اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہوگئی۔ طول اسکا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے۔ اور چار گز کی چوڑی اور نو گز کی اونچی ہے اور اسمیں ستائیس برج دس دس گز کے قطر سے ہیں سنہ ۱۸۰۳ء میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہ اکثر جگہ سے ٹوٹ رہی تھی جسکو بہت خوبی سے درست کرایا گیا اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کر کے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا۔ اور قریب سنہ ۱۸۱۱ عیسوی کے اسکے گرد بھی شہر پناہ بنائی گئی

س م ح

[52] صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ نام بدل کر کب سے دہلی ہوگیا۔ مرات آفتاب نما میں لکھا ہے کہ " یہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چند بنسیوں میں کا ایک راجہ ہے اپنے

بقیہؔ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں -
کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر
بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جاوے تو ساڑھے چار میل سے زیادہ ہو اور
اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا
کہ شہر کا کُل دور کسقدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰ - نام پر دلّی آبادکی'' لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اسواسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پوتھیوں میں باوجودیکہ راجہ دلیپ کا ذکر ہے - مگر کہیں دہلی کا نام نہیں ہے - بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی کرکے لکھا ہے - اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۳۰۷ھ ہجری مطابق ۹۱۹ء میں تونوروں کے خانداں میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی بسایا اور اسی مصنف نے کتاب نزہتہ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین کو کہتے ہیں جہاں میخ نہ تھم سکے اس سبب سے وہ بستی دہلی کرکے مشہور ہوگئی مگر اس سنہ میں نہ تو تونوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑجانا قرین قیاس ہے - اس واسطے یہ بات بھی قابل اعتماد نہیں - اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ دہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے کہ دلّی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں - اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا - بلکہ اصلی نام دہلی کا دِہلُو ہے - جیساکہ موافق روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کرکے دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ؎ یا یک اسپم بخش یا زاخور بفرما بارگی یا بفرماں وہ کہ گرد وں شیتم و دہلو روم + راجہ دہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کمایوں کا ہمعصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا - اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہوگیا - اور اسکے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی - اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج تک عمل کرلیا - یہ واقعہ ۳۲۶ سنہ قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمیناً یہی زمانہ دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے - س م ح

ص ۵۱ قلعہ جسمیں شاہی محلسرا اور اور بادشاہی مکانات ہیں اور جنکا ذکر میں آیندہ کروں گا قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے - اور سامنے دریا ے جمنا بہتا ہے - اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتیلا وسیع میدان ہے جسمیں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھائی جاتی ہے - اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کیجاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے -

---

ص ۵۱ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ھ ہجری ۱۶۳۸ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا - اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا - اُستاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے - اسکی تعمیر کے لئے مقرر ہوئے! پہلے عزت خان کو اس کا اہتمام ملا - اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا - اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی ہو آئی! پھر الہ وردی خاں کو یہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ گز اونچی ہو گئی! پھر مکرمت خاں کا ذمہ ہوا - اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہو گیا اور چوبیسویں ربیع الاول ۱۰۵۸ھ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اسمیں پہلا جلوس کیا! یہ ہشت پہل بنا ہے - اور اسکا طول ایکہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جسکی کل زمین چھ لاکھ گز ہوئی - اور اس حساب سے یہ اکبر آباد کے قلعہ سے دوگنا ہے - اسکی فصیل پچیس گز اونچی ہے - اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے -! دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے - اسکی خندق چوبیس ۲۴ گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے - جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے - اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا - اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا - یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں - اور پچاس لاکھ اُسکے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا

(از آثار الصنادید) (س م ح)

قلعہ کی دیوار اپنی پرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ کچھ اینٹ اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلان میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے۔ جسکی روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جسمیں کثرت سے مچھلیاں ہیں۔ ! یہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اسکو فوراً زمین کے برابر کر دیسکتا ہے! اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا۔ اور قلعہ کی عظیم الشان اور سرخ رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آنکر ختم ہوتے ہیں۔ ! جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں اُن کے خیمے اس چوک میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اسلئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے اور اسی جگہہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اسکے قریب ہی ایک بڑے اصطبل

میں رہتے ہیں پھر آسے جاتے ہیں! اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی نوملازم سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور اچھے مضبوط اور پیمانہ کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہی اور اُس امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں۔ اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ انہیں گھوڑوں کو دوسرے نوملازم سوار مستعار لیکر موجودات کے وقت پیش نہیں کرسکتے۔ اسی جگہہ انواع واقسام کی بیشمار چیزوں کی خرید فروخت کے لئے گزری لگتی ہے۔ جو پیرس کے پونٹ۵۱ نی آف کی طرح ہر قسم کے تماشوں اور بھان متیوں اور ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمّالوں کا مرجع ہے اور یہ فاضل نجومی دھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑا بچھائے بیٹھے رہتے ہیں جنکے پاس علم ریاضی کے کچھہ پرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جسمیں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں! اور عوام الناس غیب داں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں! اور یہ ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقا کو بتاتے ہیں کہ انکی قسمت میں آیندہ کیا ہونا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھہ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھہ حساب لگا رہے ہیں! اور یہ لوگ جس کام کی بابت اُن سے سوال کرتے ہیں اُسکے لئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں اور نادان عورتیں سر سے پانوتک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع

۵۱ ایک بڑے پُل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے۔ م م ح

ہوتی ہیں۔اور اپنی تمام عمر کے امورات کی نسبت اُن سے پوچھ کچھ کرتی اور اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہدیتی ہیں جس طرح فرانس میں ایک دوسواسن عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کردیتی ہے!۔ اور یہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا بدل دینا ان لوگوں کے اختیار میں ہے! ان نجومیوں میں سب سے زیادہ ہنسی کے لایق ایک دوغلہ پرتگیز تھا۔ جو گوآ سے بھاگ آیا تھا! یہہ مسخرہ بھی اپنا قالین بچھا سے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا۔ اور اسکے پاس بھی بہت سے سائل آتے تھے۔ حالانکہ وہ کچھ لکھہ پڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور اسکے پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پورانا جہازی قطب نما تھا۔ اور کتابوں کی جگہہ رومن کیتھلک فرقہ کی نمازکی پرتگیزی زبان میں دو پُرانی باتصویر کتابیں تھیں جنکی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اسی طرح کی بناتے ہیں! ایک دن فرقہ جیسوئیٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے اسکو اس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو اُسنے شرمندہ ہونیکی جگہہ یہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوں کا نجومی ایسا ہی چاہیئے" یہ ذکر میں اُن غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دیکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ اُنکو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور اس طرح پر یہ دولتمند ہوجاتے ہیں! تمام ایشیا میں یہ بے اصل وہم پھیلا ہوا ہے۔ اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیران فریبی غیب گویوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بغیر انکی اصلاح کے کوئی ادنی کام بھی

شروع نہیں کرتے یہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرنے کے لئے مبارک گھڑی تجویز کرنے اور ہر ایک شبہ کو قرآن سے فال نکال کر حل کرتے ہیں۔

وہ دو بڑے بازار جنکا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوکور میدان میں آکر ملتے ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاہوری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہ دونوں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف پلیس رائل ہے اسیطرح اُن کے بھی دونوں جانب کی دوکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو انکی عمارت خشتی ہے دوسرے یہ کہ یہ ایک منزلی ہیں۔ اور انکی چھتیں بطور ایک مسطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہ بھی تفاوت ہے کہ پلیس رائل کی دوکانوں کے برانڈے اس قطع کے ہیں کہ اُن میں داخل ہوکر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے۔ اور انکی دوکانوں کے برانڈے علیحدہ علیحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنمیں بیٹھکر دن کے وقت اہل حرفہ اور صرّاف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں کو دیکھاتے ہیں! ان محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لئے کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں جنمیں رات کیوقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ ادرہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔

اور اِن کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ اُن میں رہتے ہیں وہ رات کو اسپر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالاخانے سب دوکانوں پر نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اَور اطراف میں بھی اسی طرح کسی کسی دوکان پر اچھے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر اِن اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر جو بالاخانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دیکھائی نہیں دیتے۔ مگر متمول بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔ !

اِن کے سوا پانچ بازار اَور ہیں۔ اور اگرچہ اُنکی قطع اور وضع بھی اُنہیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بیشمار بازار ہیں۔ اور جو ایک دوسرے کو تقاطع کرتے ہیں اُن میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طور کی ہے مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے تناسب کا کچھ خیال نہ تھا۔ اِسلئے اِن میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جنکا بیضے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکام عدالت اور دولتمند تاجروں اور اَور لوگوں کے مکانات ہیں۔ اُن میں بھی بہت سے اچھے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے اور پکے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اِسکے عموماً ہوادار اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے
لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور
سفیدی کئے ہوئے ہیں - اور یہ بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے
مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں ان میں معمولی
فوجی سوار اور ان گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے
ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں - اور ان کے سبب سے شہر میں اکثر آگ
لگ جاتی ہے چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے
جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے - قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا
اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں
کیونکہ یہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں - کہ نامحرم لوگوں سے موہنہ
چھپانے کے سوا ان سے کچھ بن ہی نہیں آتا - چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے
ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں! ان کچے اور
خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہ خیال کیا کرتا ہوں کہ
سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں - دہلی گویا
چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے -

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں -
لیکن اور مقامات میں بھی ہیں اور اس گرم ملک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے
ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کی جانب کی
ہوا آتی ہو - چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغچہ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنمیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں کر لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خسخانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑیکی ڈولچیوں سے انکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جسکے چاروں طرف قدآدم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے چمن کے اندر بنا[۵۱] ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونے کیلئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے۔ یہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھے گھروں میں نشست کا یہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

[۵۱] غالباً بارہ دری مراد ہے س م ح

دلنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیلے بچھے رہتے ہیں۔ جنپر ریشم کے ہلکے کام کی سوزنی جسپر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معززاور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُسپر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤتکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور بھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اور تکیے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور باقرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں۔ اور دالان کی چھت منقش اور ملمع کاری کی ہوتی ہے مگر انسان یا کسی اور جاندار شے کی تصویر اُسپر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستان کے مکانوں کی ہجو کے بلااندیشہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب و زینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دکانیں ہیں جو دہلی میں

نہیں ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالیشان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے۔ جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری امر ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سنیٹ ڈینس ہے جسکا مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان کی طرح دکانین بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذونادر ہی آراستہ نظر آتی ہیں اور اگر ایک دکان میں پشمینہ کمخاب اور زری کار مندیلیں اور ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دوکانوں میں گھی تیل دال چاول گیہوں جو وغیرہ بیشمار قسم کے اناج جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان بہت سے سپاہی بھی یہی کھاتے ہیں ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں۔ البتہ ایک بازار ایسا ہے جسمیں میوہ کھلا رکھا رہتا ہے۔ اور اُسمیں بہت سی دکانین ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک میوؤں بادام پستہ فندق کشمش ببر اور زردآلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید نہایت عمدہ تازے انگوروں سے جو روئی کی تہہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردے سے جو جاڑے بھر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں! چنانچہ ایک سردہ پونے چار روپیہ کو آتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ اہل دہلی کو سب میووں سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے!! اُمرا کے ہاں میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ

مجھے یاد ہے کہ میرے "آغا" کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقع پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ لذیذ نہیں ہوتا۔ اور بجز اسکے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جائے جیسا کہ اُمرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا مگر اسپر بھی اچھا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہ تخم ہی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گول کنڈا اور گوآ سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اُسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بیمزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی اُمرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط اور خرچ بوواتے ہیں۔!

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھی نہیں بنتی اور گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔ نان بائی بھی بیشمار ہیں مگر اُن کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب پکی

ہوئی البتہ جو روٹی قلعہ میں بکتی ہے وہ کسیقدر اچھی ہوتی ہے اور اُمرا تو اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں۔ اور اسوجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے اور اسمیں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے۔ اور اگرچہ خوب پھول جاتی ہے۔ مگر مزا جلی ہوئی کا سا ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر کیک جیسی ہوتی ہے اور پیرس کی "گانس" اور اَور روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی۔ اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا قریب المرگ بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار ہوا ہو معین صحت نہیں ہے۔ دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے۔ لیکن بکری کے گوشت کی جگہہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں۔ پس اس فریب سے بچنے کے لئے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ بیل کا گوشت اور خاصکر بھیڑ کا اگرچہ مزہ میں برا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ اور نفاخ اور دیر ہضم بھی ہے۔ حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بازار میں شاذو نادر ہی ملتا ہے۔ اسلئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے۔ لیکن اسمیں یہ بڑی دقت ہے کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھیرتا۔ دوسرے یہ کہ جانور دُبلے ملتے ہیں۔ اور اسوجہ سے گوشت بیمزہ ہوتا ہے اور قصائیوں کی دکانوں میں دُبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا ہے۔ اگرخاص مجھکو اس امر کی شکایت نازیبا ہے۔ کیونکہ جب سے کہ میں ان لوگوں کے رویہ سے واقف ہوگیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو روٹی

یا گوشت اچھا نہ ملا ہو۔ چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچیخانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیج دیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں جسپر انکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضامندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں۔ چنانچہ میرا "آغا" مجھسے یہ سنکر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے آپکی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک پادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

خصی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جنکو محلسرا کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے۔ اور جسکا نام ہمنے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کبوتر بھی ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچونکا مار ڈالنا بیرحمی کا کام سمجھتے ہیں! تیتر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑکر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور پرند ہوتے ہیں یہی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جاکر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں! دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھی مچھلی بھی بکتی ہے۔ خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے ہاں کی

پائک اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں۔ مگر جاڑوں میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اُسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بالتخصیص اسکے شایق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر امرا کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُنکے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے انکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنے کو بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہ بیان سنکر آپ غور فرما سکتے ہیں کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑکر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئیگا؟ بیشک امیروں اور دولتمند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو اُمرا نے ناپسند کرکے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانے کا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے۔ دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ دیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گول کنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں میں نے پی ہے جو بدمزہ نہ تھی اور

سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری[۵] کی ہوتی ہے - چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس میں پہنچکر بذریعہ جہاز سورت میں آتی ہے - جہاں سے چھیالیس دن کے عرصہ میں دہلی میں پہنچ جاتی ہے - اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتی ہیں لیکن یہ دونوں قسم کی شرابیں اسقدر گران قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے لوگونکے انکی قیمت انکے مزا کو بے لطف کر دیتی ہے - چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے - پندرہ یا سولہ روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں آتا - اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جسکو یہاں "عرق" کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے - جو گڑ سے بھبکے میں کھینچکر

---

[۵] یہ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں - ان کا عرض شمالی ستائیس سے لیکر چالیس[۲۸] اور انتیس سے لیکر تنیس[۳۰] تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ سے تیس اور اٹھارہ سے لیکر بیس[۲۰] تک ہے - ان کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی موافق شمار ۱۸۳۵ء حسب ذیل ہے -

		آبادی	رقبہ
(۱) جزیرہ ٹنا یف	Teneriffe	پچاسی ہزار	۸۷۷٫۷
(۲) " کناری کلان	Grandcanary	اڑسٹھ ہزار	۷۵۸٫۳
(۳) " پالما	Palama	تینتیس ہزار	۷۱۸٫۵
(۴) " لین سے روٹا	Lanyuste	سترہ ہزار چار سو	۳۲۳٫۵
(۵) " فیورٹی وینٹورا	Fuerteventura	تیرہ ہزار آٹھ سو	۳۲۶٫۱
(۶) " گومے را	Gomera	گیارہ ہزار سات سو	۱۶۹٫۷
(۷) " ہائی رو	Hierrs	چار ہزار چار سو	۸۲٫۲

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہے - اور فاصلہ صرف پچاس اور ساٹھ میل کے اندر ہی - انکے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں جو اکثر غیر آباد ہیں!

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے جیسا کہ ہولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جائے تو لاعلاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھے گا یا نہایت عمدہ نیبو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے۔ اور کچھہ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہ ہے کہ اس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھہ شبہ نہیں کہ یہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے تھٹے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۰ ۔ رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں ان کی خبر ہوئی۔ پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نامکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر کے ڈی راس کا ذکر ہے یا کناری کا یہ سب کے سب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قامتی کے لئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا عموماً خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھہ کہر پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے۔ جو براعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکے ساتھہ ٹڈی بھی آتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ سنہ ۱۸۱۲ء میں اسقدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار فٹ تہ جڑہ گئی تھی انگور یہاں کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشہ شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س ت ہ ۔

لوگ اِن امراض کے شاکی یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہوجاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے برے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیے جسمیں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اسکا سبب یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ شکاری اور جنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونے کے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سنار اُن سے بڑھکر شاید ہی بنا سکے۔

مصوری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جب

دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں - جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہمون کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصور نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُس نے تو بالتخصیص مجھکو حیران کر دیا اور مینے اسکو ایک عجیب کام خیال کیا - مگر ہندوستانی مصور اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کچے ہیں - لیکن اگر ان کو ایک اچھا اوستاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے تو یہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں - اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دارالسلطنت شہر میں دستکاری اور ہنرمندی کے اعلیٰ قسم کے نمونون کا پایا جانا لوگوں کی کند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانداروں کو کچھ ہمت دلائی جاوے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے - لیکن اِن بیچاروں کو واجبی اُجرت بھی نہیں ملتی بلکہ ان کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے - اور دولتمند لوگ ہر ایک چیز ارزان قیمت پر لینی چاہتے ہیں - اور جب کبھی کسی امیر یا منصبدار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے - اور بشرط ضرورت بیچارے سے جبراً کام لیتا ہے - اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُسکی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے - اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے - پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر ہنر دکھانے میں سعی کریں - بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنے کے لئے

کوشش کرنے کی جگہہ صرف یہ فکر رہتا ہے کہ کہیں جلدی پیچھا چھوٹ جاوے اور اسقدر ضروری ملجاوے جسمیں اوقات بسر ہوجاوے - اس سبب سے صرف وہ ہی کاریگر اپنے فن میں کسیقدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار امیر کے نوکر ہیں - اور صرف اپنے آقا کے لئے کام تیار کرتے ہیں -

قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر

قلعہ میں محلسراے شاہی اور اور محل ہیں - لیکن آپکو یہ خیال نکرنا چاہیئے کہ ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوائر یا اسکیوریل ہیں[۵] - بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت سے مشابہ نہیں ہے اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے بھی نہیں - کیونکہ انکے لئے اس ملک کی آب و ہوا کے موافق عمدہ اور شاندار ہونا ہی کافی ہے -

دروازہ قلعہ معروف ہتیاپول کا ذکر

قلعہ کے دروازہ کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اسکے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بنا کر دونوں جانب کھڑے کئے ہوئے ہیں جنمیں سے ایک پر چیتوڑ کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت ہے - اور دوسرے پر اسکے بھائی فتا کی جو دونوں بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے - اور جنکی ماں اُن سے بھی زیادہ دل چلی تھی - اور جو شہنشاہ اکبر سے ایسے لڑے تھے کہ ابدالآباد تک اُنکا نام رہیگا - اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو آنکر گھیر لیا تو یہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اُس سے مقابل ہوئے - اور بجاے اسکے کہ اپنے دشمن کی جسکو اپنے زور اور قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اطاعت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی جان اپنے ملک پر

---

۵ یہ بادشاہی محل ہیں جسمیں سے پہلا فرانس میں اور دوسرا اسپین میں ہے - س م ح -

قربان کر ڈالی۔ اور یہ انکی اس ہمّتِ جانبازی ہی کی وجہ سے تو ہے کہ اُن
دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُنکی مورتوں کا قایم رکھنا مناسب
خیال کیا یہ ہاتھی جنپر یہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان وشکوہ کے ہیں۔ اور
انکو دیکھکر رعب اور اَدب کا ایک ایسا خیال مجھپر چھا گیا جسکو میں بیان نہیں کر سکتا ۵۱
اس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوکر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے
جسکے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فرانسیسی
فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا
پونٹ نی آف ہے جسکو چھوڑکر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار
دالان بنتے چلے گئے ہیں۔ جنمیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور
اَور کم درجے کے عہدہ دار بغیر اِسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے
ہیں اُن سے اُنکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔
اور منصب دار چورات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھیرتے ہیں۔

---

۵۱ مآثرِ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال جلوس مطابق سن ایکہزار اٹھتر ہجری
میں پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب
نصب تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے تھے نعمت خان عالی
نے اپنی مشہور کتاب وقایع میں انی راے نامی صیغہ حساب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں پھبتی کے طور پر
جو یہ شعر لکھا ہے ۵ "آن صورتِ عبادتِ فیلانِ ہتھیا پول + ماراچہ فیل بند حساب وکتاب کرد" اِس سے
بھی اِن ہاتھیوں اور ہتھیا پول کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہتھیا پول قلعہ شاہجہان آباد
کے کون سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادید نے اِن ہاتھیوں کو نقارخانہ کے دروازہ کے
آگے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے ہتھیا پول کہتے تھے۔ بس صحیح بات وہی ہے جو
ڈاکٹر برنیر اور صاحب مآثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے۔ س م ح۔

اس نہر کا پانی اول محلسرا میں جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے موقع بموقع سب مکانوں میں پہنچتا ہے۔ اور اسکے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے اور یہ دہلی سے پندرہ یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر جمنا میں سے کاٹ کر بڑی محنت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین پر سے لائی گئی ہے[۵۱]۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر قلعہ کے دوسرے دروازہ کے بھی اندر کی طرف ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اسکے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں۔ لیکن محراب دار دالانوں کے عوض دکانیں بنی ہوئی ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو یہ ایک بازار ہے جو لداؤ کی چھت کی وجہ سے جسمیں اوپر کی طرف روشنی اور ہوا کے لئے بڑے بڑے گول روشندان بنے ہوئے ہیں۔ گرمی اور برسات میں بہت آرام کا ہے۔

۵۱ صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہ لکھا ہے کہ اول اسکو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے سنہ ۶۹۱ ہجری مطابق سنہ ۱۲۹۱ عیسوی میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر تیس کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اسکی شکار گاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا۔ پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا اور یہ بند ہو گئی سنہ ۹۶۹ ہجری مطابق سنہ ۱۵۶۱ع میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسکو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر میں لایا۔ اور نہر شہاب اس کا نام رکھا۔ مگر ایک مدت بعد پھر بند ہو گئی اور سنہ ۱۰۴۸ ہجری مطابق سنہ ۱۶۳۸ع میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہان آباد تک نئی کھودی گئی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی۔ ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہو گیا تھا جو تخمیناً سنہ ۱۸۲۰ع مطابق سنہ ۱۲۳۶ ہجری میں سرکار عالیہ انگریزی نے اسکو پھر جاری کیا۔ اور آجتک یعنی جولائی سنہ ۱۸۸۵ع مطابق ماہ شوال سنہ ۱۳۰۲ ہجری نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے۔ س م ح

اِن دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں جو اُن مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں - یہ مکانات جہاں اُمرا چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں - کیونکہ یہ لوگ اُن کو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں - اور یہ سب بڑے بڑے دیوانخانے ہیں - اور اِنکے سامنے باغیچے ہیں جنمیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوّارے بنے ہوئے ہیں - جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُسکے لئے کھانا بادشاہی خاصے میں سے آتا ہے جسکے آنے کے وقت امیر کو ادائے شکر کے لئے بادشاہی محل کی طرف رخ کر کے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجا کر ماتھے تک لانا ہوتا ہے - اِن کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں کے لئے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں - اور اِن میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں - جن میں ایک اُستاکار کے ماتحت کسی ہیں - کارچوب اور چکن دوز اور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں - اور کسی میں سنار اور کسی میں مصوّر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی - اور خرّادی - اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارای اور چوڑیا اور کمخاب اور باریک ململ بننے والے جولاہے - جو پگڑیاں بنتے اور کمر باندھنے کے پھول دار زری کار پٹکے اور زنانے پاجاموں کے لئے ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال ہیں

بیکار ہو جاتا ہے - یہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے - پچیس یا تیس روپیہ کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اُس پر سوئی سے نہایت خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے! یہ تمام کاریگر علی الصباح اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں - اور انھیں دھندوں میں اُنکی زندگی بسر ہوئی چلی جاتی ہے - اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی کرنے کے لئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا - مثلاً کارچوب اور چکن دوز اور سوزن کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے - اور سُنار کا بیٹا سُنار ہی ہوتا ہے - اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے - یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی نہیں کرتا - اور اس رسم کی پابندی مُسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے ہیں جیسے کہ ہندو جنکا شاستر یہی حکم دیتا ہے - اور اِسکے باعث سے بہت سی خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں - حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور ذات کا خیال چھوڑ دیں تو اُن کی شادی اچھی جگہہ ہو سکتی ہے -

مکان عام وخاص اور نقارخانہ کا ذکر اَب ضرور ہے کہ میں عام وخاص کا ذکر کروں جو ان مکانات میں سے گزرنے کے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور عالیشان عمارت ہے - یہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس رائل سے مشابہ ہے - اور صرف اسقدر فرق ہے کہ اِسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے - اِسکی محرابیں اِس

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتی ہیں اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اُسپر ایک بڑا بالاخانہ بنا ہوا ہے جسکے دروازے اسکی طرف کو ہیں۔ اور اسوجہ سے کہ اسمیں نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اس کو نقارہ خانہ کہتے ہیں۔ جو دن کو اور رات کو اوقات معینہ پر لکھٹے بجائے جاتے اور نو وارد اہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفریاں اور اسیقدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں۔ اِن میں سے بڑی نفیری جسکو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جسکا نیچے کا مونہہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کسیقدر شور وغل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اول ہی اول یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بھرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیز ہے کہ اب رغبت سے سنتا ہوں خصوصاً رات کیوقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دور سے اسکی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی اور سریلی معلوم ہوتی ہے[۵۱]۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اِن کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور اِن باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سریلی اور لے دار بنانے

---

[۵۱] میر حسن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بدر منیر میں کیا خوب کہا ہے ؎ سہانی وہ نوبت کی وہیمی صدا + کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ۔ س م ح۔

میں ایسے مشاق ہیں کہ فاصلہ سے سنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو اسکی آواز سے تکلیف نہ ہو! اس دروازہ کے مقابل جسپر نقارخانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اور چھت سنہری کام کے ہیں۔ اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف سے کھلا ہوا ہے۔ اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرا سے اسکو جدا کرتی ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین[۵۱] بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر روز بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے یا اوا سے خدمات کے لئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

۵۱ آثار الصنادید میں اسکو نشیمن ظل الٰہی یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے۔ اور اسکی کیفیت یوں بیان کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جسپر چار ستون لگا کر بنگلہ کے طور پر اسکی چھت بنائی ہے۔ اور قدِ آدم سے زائد کرسی دی ہے۔ اور اسکے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق ہے اسپر ہر قسم کے چرند پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کر گا رہا ہے۔ یہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے ارفیوس نامے ایک کلاونت کی ہے۔ جسکی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اسکی آواز سے مست ہو کر اسکے گرد آن بیٹھتے تھے۔ اور اس کہانی کے موافق اسی ملک کے رہنے والے رفیل نامی ایک مصور نے جو اس فن میں بےمثل تھا اپنے خیال سے آرفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا۔ یہ مصور ۱۵۲۰ء میں مرا مگر اسکا یہ مرقع اٹلی اور فرنگستان کی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور ابتک اسکی نقلیں موجود ہیں۔ اور یہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی پچی کاری میں

ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جسمیں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسیقدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار یعنی چھوٹے اُمرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور اِن سے جو جگہہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلیٰ اور ادنیٰ مفلس و غنی سے بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنی عرض حال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰۔ یہاں بنایا گیا ہے اور جو کہ اس مرقع کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا اس سے یقین پڑتا ہے کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اٹلی کا رہنے والا فرنگی شریک تھا اس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے ہی آنے کا راستہ ہے۔ بادشاہ اِس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے۔ اِس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے امرا میں سے جس کسی کو کچھہ عرض کرنا ہوتا تھا اُسپر چڑھکر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اسقدر اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے اس تخت کے آگے سہ کہنا دالان در دالان ہے جو ستھہ گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے۔ اور ہر ایک دالان کے نو نو در ہیں۔ اور اِن سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ اور انپر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئیں ہیں۔ اور سفیدی گھونٹ کر سنہری نقاشی کی ہے۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کر سنگ مرمر کا کٹہرا لگایا ہے۔ جسپر بہت خوشنما سنہری کلسیاں تھیں۔ جو اب ایک بھی باقی نہیں۔ یہ دالان اُمرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جسکا ایکسو چار گز کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے اِسکے بیچ میں یہ دالان ہے۔ اور باقی تین طرف چبوترہ ہے جسکے گرد قدآدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے۔ جسپر سنہری کلسیاں تھیں یہ جگہہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑی کہتے تھے۔ اور اسکے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک سو ساٹھ گز چوڑا صحن ہے اور اِسکے چاروں طرف قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور شمال کیطرف دیوان خاص میں جانیکا دروازہ ہے۔ سم ع

کے لئے باریاب ہوسکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکو عام و خاص[۵۱] کہتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسیقدر خاصے گھوڑے سامنے کئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کرسکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں۔ جنکی میلی کھال خوب نہلا دھولا کر سیاہی سے رنگدی جاتی ہے اور دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں کھینچدیئے جاتے ہیں۔ اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پیٹھ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں اور سفید سرہ گائے کی دُمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی موچھیں سی معلوم ہوتی ہیں۔ اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمتگاروں کیطرح ان بڑی ہاتھیوں کے

۵۱ خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہان سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دربار عام کے لئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اسلئے شاہجہان نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور برہانپور میں دربار عام لئے چالیس چالیس ستون کی تین عالیشان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص اُن کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام و خاص جب تیار ہوگیا تو ملک الشعرا طالبائے کلیم نے اسکی تعریف میں یہ رباعی کہی۔ رباعی

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست	از رفعت چرخ زینۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سرو نست	کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

بانی

ساتھ رہتے ہیں اور یہ ہاتی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے سازوسامان اور اپنی آن بان پر نازاں ہیں اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوکدار چیز چبو کر انکو بڑھا وا دیتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے۔ اور اسوقت یہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اٹھا کر چنگھاڑتا ہے جسکو لوگ اسکی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اسکے بعد اَور جانور پیش ہوتے ہیں۔ مثلاً سدھائے ہوئے ہرن جو لڑائے جاتے ہیں۔ اور نیل گائیں۔ اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنسے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک ازبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیتر۔ کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جنپر یہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور کندے مار مار کر انکو اندھا کر دیتے ہیں! ان جانوروں کے پیش ہونے کے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں جنکی پوشاک اسوقت روزمرہ کے لباس کی بہ نسبت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوئی اور انواع واقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھمّے وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھیڑیں جنکا پیٹ صاف کر کے بھس بھر دیا جاتا ہے

نوجوان اُمرا۔ منصب دار۔ گرز بردار۔ اور اعصا بردار۔ اُنپر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں چونگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں۔ اور اُنکے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صف دیکھتا ہی نہیں۔ بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جسکو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو۔ چنانچہ اُس نے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسیکی کم کردی اور کسیکو بالکل ہی موقوف کر دیا ہے۔

اِس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں۔ اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چُن لئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک اور دولتمند اور مسن شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کے کمرے میں جسکو وہ عدالت خانہ" کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر دادرسانی کرتا اور اسمیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشیائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داددہی اور انصاف رسانی سے جو اُنپر واجب ہے غفلت نہیں کرتے جو حالات اِس دربار عام و خاص میں گزرتے ہیں اور جنکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ

خوشامدگری اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کردینی واجب ہے۔ چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے موہنہ سے نکلجاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اُٹھاکر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لیکر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہ بیت یاد نہ ہو اور وہ اسکو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو "اگر شہ روز را گوید شب ست ایں۔ بباید گفت اینک ماہ و پروین" یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتاے تو کہدینا چاہیئے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں۔ اور یہ خوشامد کریگا عیب کیا ادنی کیا اعلی اسب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھہ سے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں۔ چنانچہ اول اول تو مینے اس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جسقدر آپ میری یہ تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اسکے لایق نہیں ہوں۔ اور مجھکو اُن بزرگوں سے کچھہ نسبت نہیں لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار اُنکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے تو مجبوراً اپنے کانوں کو اُنکی خوشامدی باتیں سننے کا ویسا ہی عادی بنا لیا جیسا کہ اُن کے موسیقی باجوں کے سننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصۂ طبعی معلوم ہوجائیگا۔ ایک پنڈت جسکی اپنے آقا سے مینے ہی ملاقات کرائی تھی ایک روز اُس نے اپنے

ایک اشلوک میں اول تو انکو اُن بڑے بڑے فتحمندوں سے جو دنیا میں
شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہملات اور واہیات
بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہ کہا دو کہ جب آپ
گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپ کے قدموں
کے نیچے زمین کانپنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتی جو اسکو اپنے سر پر
اٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں
لاسکتے" جسکو سنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا" سے جو میری طرح انکو
بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا سمجھکر گھوڑے
پر سوا ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دنیا درہم برہم ہو جائے جس کے جواب میں اُنہوں
نے فوراً یہ کہا کہ اسی وجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے
غسل خانہ[۵۱] کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت
ہے۔ اور یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت
خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام ہے اور ایک بڑے شہ نشین

---

[۵۱] پادشاہنامہ میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں قلعہ آگرہ میں محلسرا اور دیوانخانہ کے مابین ایک مکان تھا جسمیں بادشاہ غسل کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور وزیر اور بخشی بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے شاہجہاں کے زمانہ میں جو نئی نئی عمارتیں بنائی گئیں تو اگرچہ بادشاہ نے اس مکان کا نام جہاں سلطنت کے نہایت مخفی اور اہم معاملات اُمرا اور وزرا کے مشورہ سے طے کئے جاتے تھے دولتخانہ خاص رکھا لیکن لوگ اسکو بھی غسلخانہ ہی کہتے رہے اور اسلئے اگر بادشاہ سفر میں بھی ہوتا تھا تو خیام شاہی میں سے ایک خیمہ غسلخانہ کے نام سے نامزد رہتا تھا اگرچہ اسمیں دربار خاص ہوتا تھا اور وہ غسل کا کچھ علاقہ نہ رکھتا تھا

کی طرح چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کر وزرا سے جو ادہر اودہر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں امرا اور صوبہ داروں کی عرائض سنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر ہونیکے باعث امرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے "آغا" دانشمند خاں ایک ایسے امیر ہیں جنکو انکے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سر انجام امور ممالک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چہار شنبہ کو جو انکی چوکی کا دن ہے اُن کو بھی اَور امرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے! یہہ دو وقتہ حاضری کی رسم نہایت پرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی کام ضروری یا سخت بیماری کی حالت کے دونو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اُسکو اٹھا کرلے آتے تھے کیونکہ اُسنے اقل درجہ رات دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھا دینا واجب سمجھا تھا اسلئے کہ ایسا شدید بیمار تھا کہ اُسکا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا بھی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہوسکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن امور میں مصروف رہتا ہے جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اسلئے اُمرا کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسوقت کے دربار کی یہ خاص رسم ہے کہ جن منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ جنکے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقری چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جنمیں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جسکو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بتلاتے ہیں! ان لوگوں میں بہت سے گرزبردار بھی ہوتے ہیں تو قدآور اور وجیہ دیکھکر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جنکا یہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اسکی تعمیل کریں۔

شاہی محلسرا کا بیان اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محلسرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارت کی کرائی ہے۔ لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی نا ممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونیکے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانیکا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اُڑھا دی گئی تھی کہ ایک لمبے سگارف (اوڑھنی) کی طرح پانوں تک لٹکتی تھی اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لیگیا تھا جیسے کوئی اندھے کو لئے جاتا ہے! اسلئے آپکو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے جو بعض خواجہ سراؤں سے سنکر مینے لکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ محلسرا میں بیگمات کے مدارج اور حیثیت اور اُن کی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشنیں اور سایہ دار آرامگاہیں اور نہریں اور فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لئے اونچے اونچے صُفّے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جسمیں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑھے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔[۵۱]

[۵۱] آثار الصنادید میں اس برج کا نام برج طلا یا مثمن برج لکھا ہے اور سر سے پانوں تک سنگ مرمر کا بنایا ہے جسمیں سونیکا کام اور پرچین سازی اور منبت کاری کی ہوئی ہے چھ کلس سمیت باہر سے بھی سنہری ہے اور ہشت پہلو ہونیکے باعث مثمن برج کہلاتا ہے۔ تین ضلعے اسکے خوابگاہ کی عمارت کی طرف ہیں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بطور

دربار اور تخت طاؤس کا بیان | اب قبل اسکے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں آپکو دوبارہ

عام وخاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت سنانی چاہتا ہوں جو مینے اُسمیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا مینے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اُس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام وخاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہو نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھول دار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کار مندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جسمیں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا۔

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے۔ جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جنمیں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوے ہیں۔ مگر میں اُن کی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسیکو اسقدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور اور جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اسکی قیمت چار کرور روپیہ جانچی گئی تھی۔ اور اُسکو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی لوٹ اور اُن پیشکشوں کے ذریعہ سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص

موتیوں پر نذرین گذرانی لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ انکو دیکھیں مگر اسکی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے۔ البتہ دو مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور انکو ایک صناع نے جسکی کاریگری اور ہنرمندی حیرت کے لایق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جسنے یورپ کے بہت سے رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے کر جنکو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا تھا خوب او لٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں پناہ آن لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی بنایا تھا۔[۵۱]

۵۱ ملا عبدالحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہنامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ سمجھکر ہم اسکو یہاں بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

وو چوں بمرور ایام و کرور اعوام اقسام جواہر ثمینہ کہ ہر یک شایستہ گوشوارہ ناہید و کمر بند خورشید است در جواہرخانہ والا فراہم آمدہ بود۔ در آغاز جلوس مقدس بر ضمیر الہام پذیر منطبع گردید کہ از تحصیل چنیں تحف غریبہ و نگاہداشتن ایں نفایس عجیبہ مطمع نظر دوربین جز دولت آرائی و زینت افزائی امرے دیگر نیست۔ پس در جائے بکار باید برد کہ ہم تماشائیاں از حسن جہاں افروز ایں نتایج بحر و کاں بہرہ برگیرند و ہم کارگاہ سلطنت را فروغے تازہ پدید آید۔ حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ در جواہر خانہ مشکوئے مینو مثال مے باشد از قسم لعل و یاقوت و الماس و مروارید قیمتی و زمرد کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنست ہر چہ در تحویل خازنان بیرون است از نظر اطہر بگذرانند و جواہر ثمینہ گران سنگ را کہ پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہائے آن شدہ بود انتخاب نمودہ بہ بے بدل خاں داروغہ زرگر خانہ حوالہ فرمودند تا بیک لک تولہ طلائے ناب کہ دو صد پنجاہ ہزار مثقال ست و مبلغ چہاردہ لک

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹھرا لگا ہوا اور اوپر زری کی جھالر کا ایک پرزر وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اُمرا نہایت مکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے منڈھے ہوئے اور ریشمی مشجّر کے شامیانے جنمیں ریشم اور زری کے پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷ - روپیہ قیمت آن تخت بطول سہ گز در بعض و عرض دو نیم گز و ارتفاع پنج گز سرکاری نمودہ بجواہر مذکورہ ترصیع نمایند و مقرر شد کہ سقف آن را از درون بیشتر میناکار و لختے مرصع و از بیرون بہ لعل و یاقوت و جز آن مرصع مغرق ساختہ بہ زمردین اساطین دوازدہ گانہ برافرازد و بالاے آن دو پیکر طاوس مکلل بزواہر جواہر و درمیان ہر دو طاوس درختے مرصع بہ لعل و الماس و زمرد و الماس و مروارید تعبیہ کنند و براے عروج سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر آبدار ترتیب دہد - و در مدت ہفت سال این تخت عرش مثال بہ مبلغ صد لک روپیہ کہ سہ صد و سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رائج ماوراء النہر است صورت اتمام یافت - از جملہ یازدہ تختہ مرصع کہ بر دور آن براے تکیہ نصب نمودہ اند تختہ میانگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حق پرست گذاشتہ تکیہ زدہ می نشینید دہ لک روپیہ قیمت دارد - از جواہر یکہ درین تختہ نشاندہ اند لعلے است در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس والی ایران مصحوب زنبیل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بخاقان ممالک ستان حضرت صاحبقران ثانی بدست علامی افضل خان بدکن فرستادہ بودند نخست اسم سامی قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہرخ و میرزا الغ بیگ بر آن منقوش بود بعد از آنکہ بانقلاب ایام و انقضاے عوام بدست شاہ عباس افتاد او نیز نام خود را بر آن مرتسم گردانید - چون بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگوار بر آن نگاشتند اکنون باسم گرامی بادشاہ ہفت اقلیم شہنشاہ تخت و دیہیم آب و تاب تازہ و زیب

بچھے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اسپک[۱]" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگایا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈھے ہوئے کٹھرے سے گھرا ہوا تھا۔ اور چوبین بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جنمیں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی تھیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸ - وزینت بے اندازہ وارد سبامر خاقانی ابن مثنوی حاجی محمد جان قدسی کہ ختمش بر تاریخ است اہ مینا ے سبز د ون تخت کتابہ نمودہ اند

مثنوی

زہے فرخندہ تخت بادشاہی — کہ شد ساماں بتائید الہی
فلک روزے کہ میکردش مکمل — ز خورشید را بگداخت اوّل
بحکم کار فرما صرف شد پاک — ہمینا کارش مینائے افلاک
جز ایں تخت از زر و گوہر چہ مقصود — ز جوو بحر و کان را حکمت ایں بود
ز یاقوتش کہ در قید بہا نیست — لب لعل بتان را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ — گہر افسر بسر خاتم بدیدہ
بجز جنس عالم از زر شد جہان پاک — کہ شد از گنج خالی کیسہ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش — دہد خورشید و مہ را رونمایش
سر افرازے کہ سر بر پایہ اش سود — ز گردوں پایہ بر بخت افزود
خراج بحر و کان پیرایۂ او — پناہ عرش و کرسی سایۂ او
ز انواع جواہر گشتہ الوان — چراغ عالمی ہر دانۂ آن
در اطرافش بود گلہائے مینا — فروزان چون چراغ از طور سینا
چو میکرد از فرازش کوتہی دست — نگین خویش جم بر پایہ اش بست
شب تار از فروغ لعل و گوہر — تواند صد فلک را داد اختر
دہد شاہ جہان را بوسہ بر پایے — ازان شد پایۂ قدرش فلک سائے

[۱] فارسی میں ایک بڑے خیمہ کو کہتے ہیں۔ غیاث اللغات (تمام ح)

اس عالیشان خیمہ کے باہر کیطرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب مچھلی پٹن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی - اور جسکے بیل بوٹے ایسے قدرطور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختۂ گلزار معلوم ہوتا تھا - اور چونکہ سب امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام وخاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبایش وآرایش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں اسلئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنیکے خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر انکی زیب وزینت میں کوشش کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام در ودیوار سے پالوں تک کمخاب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ وپیراستہ ہو گیا -

جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اسکے بعد اکثر امرا بڑے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جنکے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہ دیکھکر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گذشتہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان وشوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا

کنند شاہ جہان بخش جوان بخت	خراج عالمی با خرج یک تخت
خداوندے کہ عرش وکرسی افراخت	تواند قدرتش تختے چنین ساخت
اثر باقیست تا کون ومکان را	بود بر تخت جا شاہجہان را
بود تختے چنین ہر روز جا لیش	خراج ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زبان پرسید از دل	بگفتا اورنگ شاہنشاہ عادل

دیگرے این تاریخ یافتہ ۶ (سریر ہمایون صاحبقرانی) ۱۰۴۴ھ (ر.م.ح)

اور نہ اسقدر کبھی خرچ ہوا - لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کر و فر کے ساتھ جشن کرنے سے یہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جنکا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھہ فائدہ ہو جائے! اس جشن میں اُمرا کا بہت خرچ پڑا اور آخر کار اوسکا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا گیا جنکو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قبا و ں کے واسطے کمخاب خریدنا پڑا -

اِن سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جسکو امرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُنکو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جسکی قیمت بمناسبت اُنکی تنخواہوں سے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض امرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہ کبھی بغرض نمائش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست بُرد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو اُنہوں نے اپنے بر سر عہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُسکے خوش کرنے اور اس طرح پر اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونے کے مرصع برتن اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں - چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب نہ بلحاظ جعفر خاں کے وزیر ہونے کے بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے اُس کی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کے حیلہ سے اُسکے ہاں گیا تو اُسنے ڈھائی لاکھہ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھہ عمدہ موتی اور ایک لعل جسکی قیمت ایک لاکھہ روپیہ آنکی

گئی تھی نذر کیا - مگر شاہجہان نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اسکی قیمت صرف ساڑھے بارہ سو روپیہ بھی کم تجویز کی جسکو سنکر بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہ گئے۔

مینا بازار کا ذکر

کبھی کبھی اِن جشنوں کے وقت محلسرا میں ایک فرضی بازار بھی لگا کرتا ہے جسمیں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلربا بیبیاں دوکانیں لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کمخاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی کام کی چیزیں اور زری کا رمندیلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیر زادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور اور بیش قیمت چیزیں فروخت کرنیکو رکھتی ہیں اور پادشاہ اور اوسکی بیگمیں اور شاہزادیاں اور اور عالی رتبہ خاتونیں خریدار بنتی ہیں - اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے تو اُسکی ماں اسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے - تاکہ بادشاہ کی نظر پڑ جائے اور بیگمات سے بھی تعارف ہو جائے - اس میلہ کا بڑا لطف یہ ہے کہ ہنسی اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لئے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیگم صاحب بہت گران فروش ہیں دوسری جگہہ سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دینگے اُدھر وہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھجاتی ہے کہ یہ کہہ اُٹھتی ہے کہ آپ اپنے برف بیچنے کی خبر ہیں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور

یہ آپ کے لایق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہہ تلاش کریں اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں غرض کہ دونوں طرف سے ایسی گفتگو بڑہ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے مگر آخر کار سودا طے ہوجاتا ہے۔ اور بادشاہ اور بادشاہ زادیاں اور بیگمیں جو چیزیں اِدھر اُدھر سے خریدتی ہیں اُنکی قیمت فوراً دیدیتی ہیں اور روپیوں کی جگہہ اشرفیاں اِس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اُسکی بیٹی کے حسن وجمال نے اُنکو ایسا محو کردیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیونکی تمیز ہی نہیں رہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکاندار انکو اُٹھا لیتی ہے اور اسیطرح سے یہ جلسہ دل لگی اور چوہل میں ختم ہوجاتا ہے۔!

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا۔ اور اگرچہ بعض امرا کو ناگوار گزرتا مگر وہ ہر ایک جشن کے موقع پر یہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہانتک اعتدال سے گزر جاتا تھا کہ اس موقع پر اُن عورتوں کو بھی محل میں بلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو "کنچنی" کہتے ہیں جنکے معنی ہیں سونے سے ملمع کی ہوئی اور پھول کیطرح کھلی ہوئی) گو یہ عورتیں بازاری نہ تھیں بلکہ ایک خاص صورکی اور باعزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر اُمرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لیئے جاتی ہیں ان کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حسن وجمال ہیں اور لباس وپوشاک بھی عمدہ پہنتی ہیں اور گانے میں بھی اُنکو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے

اور تال وسم میں بھی درست رہتی ہیں مگر پھر کسبی ہیں۔
شاہجہان اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بدھ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لئے ٹھیر الیتا اور اُن کے ناچنے گانے سے حظ اُٹھاتا تھا لیکن اورنگ زیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اسنے اِن کا محل میں آنا بالکل بند کردیا ہے مگر معمول کے موافق چہارشنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور صرف دُور سے سلام کرکے رخصت ہو جاتی ہیں!
اَب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو برنارڈ نامی ہمارے ایک ہموطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک [۵۱]

---

[۵۱] پلوٹارک قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے جو کروٹیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع بوئیٹیا میں ایک شہر ہے۔ اسکی پیدائش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی اڑتالیس سے لیکر ترپن سنہ عیسوی تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اسنے ایمونیس حکیم سے فلسفہ کے وہ اصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قوائے عقلی سے متعلق ہیں اور اسمیں بڑی شہرت حاصل کی۔ علم اخلاق اور علم رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اُس خلص طور کی خوبی کا اثر جو اسکی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کرلیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے بعض کتابیں اسکو حیات جاویدانی بخشتی وہ روم اور یونان کے چھیالیس مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے بہت سے ترجمے فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں۔ اسکی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں ستر برس کی عمر میں مرا تھا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س - م - ح)

کا یہ قول صحیح ہے کہ "جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و ذکا کے باب میں صحت کے ساتھ رائے قایم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے،" اسلئے اگرچہ یہ ایک ہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سننے کے لایق ہے!

برنارڈ جہانگیر کے اخیر زمانہ میں ایک نامی اور فن الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اُسپر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہو جاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے۔ اور بادشاہ کا یہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نورجہاں کو سونپ رکھا تھا جسکی نسبت اُسکا یہ قول تھا کہ "اُسکی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں" برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس ۲۵ روپیہ روز تھی مگر شاہی محلسراؤں اور اُمرا کے ہاں معالجہ کے لئے جانے کے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اسکے طبیب ہونیکی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھکر اُسکی تواضع کرتے تھے اسکو بہت کچھ حاصل ہو رہتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نکرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اس لئے سب لوگ اُسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

"وہ کنچنی" جنکو اُسنے بہت کچھ کہلایا تھا۔ پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہ اُن میں سے ایک نوخیز عورت پر جو نہایت حسین اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہو گیا اور ہر چند طرح طرح کی کوششیں کیں لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے حسن و جمال اور تندرستی میں فرق نہ آجاے ایک لحظہ اُسکو اپنی نظر سے علیحدہ ہونے دیتی تھی۔ اسی حالت میں جبکہ برنارڈ معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو بھر دربار اُسکے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اُسکو انعام دینا چاہا تو اُسنے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضور معلی اس انعام سے معاف رکھیں اور بجاے اسکے میری یہ التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچنی جو ارباب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی ہے مجھے عنایت ہو۔ تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے کرنے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاید ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا۔ لیکن جہانگیر نے جسکو دین اور اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچنی کو اِسکے کاندھے پر بٹھا دو اور کہو کہ لیجاے۔ چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُسکے کاندھے پر بٹھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر

جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو عام خلقت کے سامنے جمنا کی ریتی میں لڑاے جاتے ہیں۔ اور

بادشاہ اور بیگمات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھہ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اُسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا آنکس سے اُسکو چلائے۔ اور یہ لوگ کبھی تو اُنکو بڑھاوا دیکر اور کبھی بُرا بھلا کہکر اور پانوؤں سے ہول کر آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے اُن کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ یہ لڑائی اکثر رہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخرکار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اُسکو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اُسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی "چرخیوں" کے بغیر جو اُن کے بیچ میں چھوڑدی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کارآمد رہ گئے ہیں۔ اور اگرچہ سراندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر کھوتے کے لئے اُن کے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔

اِن عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بیدردی پر ہوتا ہے یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے پکڑکر نیچے گرا لیتا اور فوراً پانو سے کچل ڈالتا ہے اور مہاوتوں کا کام ایسا خطرناک ہے کہ یہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہوتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال سے کسیقدر تسلی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس[۲۵] روپئے کے پیسوں کی ایک تھیلی ملجائیگی اور اگر کام آ گئے تو اُنکی تنخواہ اُن کی بیوی کو ملتی رہیگی اور بیٹا اُنکی جگہہ نوکر ہو جائیگا! اِس تماشے میں مہاوتوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اِن غصے میں بھرے ہوئے جانوروں سے بچنے کے لئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے اور پیدل اور سوار اس طرح پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پانوں سے کچل جاتے ہیں! چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمتگاروں کی کوشش کی بدولت بچا تھا۔

جامع مسجد کا ذکر

اب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کی طرف رجوع کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا ابتک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو بڑی[۵۱] مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونیکے

۵۱ اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال سنہ ۱۰۶۰ ہجری مطابق سنہ ۱۶۵۰ عیسوی شاہجہان کے جو بیٹسویں[۲۴]

سب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اُسکی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کا سطح خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آنکر ملتے ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دونوں بغلی دروازوں کے محاذی! اور اندر جانیکے لئے تینوں ضلعوں میں کوئی پچیس پچیس یا تیس تیس پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑ کر اور خوب صاف کرکے لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت خوبصورت ہوگئی ہے۔ اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جسپر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ شاندار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جن کے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی بہ نسبت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸۔ سال جلوس میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مزدور بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہوئی اسکے تین گنبد ہیں نوے گز طول اور تیس گز کے عرض میں اور اندر کو سات محرابیں ہیں اور باہر صحن کیطرف گیارہ دروازے جنمیں ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ ادھر اُدھر والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازہ پر کلمہ "یا ہادی" بطور طغرا اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور زر مصارف جسکو نور اللہ

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جسپر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلے بنے ہوے ہیں) اور بیرونی میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے۔

میں قبول کرتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب اُن اصول کے جنکو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اُسمیں کچھہ عیب بھی نہیں پاتا اسکے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اسکے نقشے پر بنایا جاوے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹ - خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جنمیں اوپر جانے کے لئے زینے اور سروں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دل کشا بنی ہوئی ہیں! شمالی منارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہے جا بجا سے بگڑ گیا تھا گر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۲۳۲ ہجری مطابق ۱۸۱۷ء میں اُس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا - اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبر بنا ہوا نہ تھا اور اسوجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اسواسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے ۱۲۴۵ ہجری مطابق ۱۸۲۹ء میں بڑے دروازہ کے بیچ میں ایک مکبر سنگ باسی کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے - مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اُسمیں سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلے بنا دیئے ہیں ممبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے! جانب شمال کے دالان میں کچھہ

لوگوں کو پسند آئے۔ ان تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو سنگ مرمر کی ہیں باقی عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے جو سنگ مرمر کی بہ نسبت ذرا نرم ہے اور زمانہ پاکر اسمیں سے ورق جھڑنے لگ جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ جس کان سے یہ پتھر نکلتا ہے کچھ مدت بعد اسمیں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو نہایت عجیب ہے اور غلط یا صحیح اسکا سبب یہ بتاتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں کان میں پانی بھر جاتا ہے مگر میں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں دیسکتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کیطرح مقدس سمجھا جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور جس راستہ سے اسکا گزر ہوتا ہے اسمیں پہلے سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانے کے لئے چھڑکاؤ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۰۔ تبرکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے۔ مسجد کا صحن ایکسو چھتیس گز کے عرض و طول سے اور اسکے بیچ میں پندرہ اور بارہ گز کا نرے سنگ مرمر کا حوض ہے جسمیں فوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور چاروں کونوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ پر۔ رہنے کے لایق حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور تینتیس سیڑھیاں ہیں جن پر تیسرے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے۔ اور قبساطی اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان انڈے لڑانے والے آنکر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف اٹھتالیس سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے اور سودے

کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازہ سے لیکر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی دورویہ صف باندھکر کھڑے ہوتے ہیں جنکے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوبصورت بندوقیں ہوتی ہیں جنپر سرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے۔ اور اوسکے سرے پر ایک چھوٹا سا پھرا۔ اور پانچ یا چھہ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت راستہ کھلا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلہ سے آگے آگے چلتے ہیں کہ اُن کی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہ سب تیاری ہو جاتی ہے تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو ہاتھی پر جو خوب سجایا ہوا اور جسپر سنہری اور منقش کام کی عماری کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہوکر نکلتا ہے۔ اور کبھی سنہری اور لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھہ چیدہ اور بہاری بہاری وردیوں والے کہار کاندھے پر اُٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱ - والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے - قصہ خوان مونڈھا بچھا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی اور کہیں داستان بوستان خیال سناتا ہے جسکے سننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور یہاں متی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا ہے - شرقی دروازہ پر بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اسکے آگے بینتیس سیڑھیاں ہیں جنپر ہر روز گزری لگتی ہے - جو گویا ہر روز کا میلا ہے - بزاز طرح طرح کے کپڑے الگنیوں پر ڈالے ہوتے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور پنجروں میں لئے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں - ایکطرف کبوتر والے کبوتر بیچتے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لئے کھڑے ہیں (آثار الصنادید) س م ح -

پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جلے بہت سے منصبدار اور چاندی کی چھڑیوں والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں! میں اس سواری کو سلطان روم کی باشان و شوکت سواری سے تشبیہ نہیں دیسکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اسکا تجمل اور عظیم وشان اور ہی طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروانسرا کا ذکر دوسری قابل الذکر عمارت وہ کاروان سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جسکا میںنے گزشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور نہ صرف اِس شاہزادی ہی نے بلکہ اور اُمرا نے بھی بڑے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہ ہمارے پلیس رائل کی طرح ایک Place Royal بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جسمیں برابر برابر کوٹھریاں اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برانڈے ہیں اور یہ دو منزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برانڈے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہہ سمجھکر اِسمیں آنکر ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اُسکا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس بیس جگہہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیونکو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اسقدر حیرانی نہ ہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے اور تاوقتیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام

کا مکان بہم پہنچائیں اُن میں ٹھیرتے اِسکے علاوہ یہ ہر قسم کے مال تجارت
کے ٹھیرنے اور پردیسی سوداگروں کے اُترنے کے لئے ایک عمدہ
اور آسایش کے مقام ہوتے

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوشحالی اور مفلسی کا مقابلہ

اب چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھہ سے
یہ ضرور دریافت کرینگے کہ اِس شہر کی
عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں
کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں واضح
ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سہ منزلہ اور چو منزلہ ہونے اور قریباً اُن
سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوے ہونے اور اسطرح پر
اِسکے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے
عورت اور مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع و اقسام کی گاڑیوں سے
بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے
اُسمیں بہت کم ہونے پر خیال کر کے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی
مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کر سکتا کہ جتنے آدمی
اُسمیں ہیں اُتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اِس
دار السلطنت کی وسعت اور بیشمار دوکانوں اور اِس امر پر خیال کرتا ہوں
کہ امرا کے علاوہ پینتیس ہزار سوار سے اسمیں کبھی کم نہیں رہتے جو قریباً
سب کے سب عیال دار اور صاحبِ اولاد اور سب کے پاس بہت
سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علحدہ علحدہ مکانوں میں رہتے

ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جسمیں عورتیں اور لڑکے بالے موجود ہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور بہیہ دار سواریاں (جلسے جگہ رک جاتی ہے) بہت ہی کم دکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہوں تو کچھہ بہت کم بھی نہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کیجاے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھہ آدمی کپڑے لتے سے درست اور معقول صورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھہ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وجیہ اور عمدہ اور ستھرا لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفر خدمتگار ساتھہ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر

جسوقت امرا اور راجہ اور منصبدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ بارونق مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت سے

منصبدار ساز و سامان سے درست اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور چار خوش پوشاک خدمتگار ساتھ لئے ہوئے جنمیں سے دو پیچھے اور دو راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں۔ اور اُمرا اور راجہ بعضے تو گھوڑوں پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر مکلف پالکیوں میں جسکو چھ چھ کہار لگے ہوئے ہوتے ہیں زربفت کا تکیہ لگائے پان چباتے آتے ہیں۔ جس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ مونہہ خوشبودار اور ہونٹ سرخ ہو جائیں۔ اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خدمتگار دانت خلال اور چاندی یا چینی کا اُگالدان جسکا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لئے ہوئے ہوتا ہے اور دوسری جانب دو خدمتگار ہوتے ہیں جو اپنے آسایش پسند مالک کو پنکھا جھلتے یا گرد و غبار اور مکھیاں اُڑانے کو مورچھل ہلاتے ہیں اور تین چار پیادے راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے دوڑتے اور کچھہ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر

دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور اُسمیں ایکھ۔ گیہوں۔ جو۔ نیل۔ دھان۔ باجرہ جوار۔ مونگ۔ ماش۔ اور موٹھہ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے بافراط پیدا ہوتے ہیں۔ دہلی سے چھ میل آگرہ کے راستہ پر ایک مقام ہے جسکو مسلمان "قطب الدین" کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت[۵۱] ہے جو

۵۱۔ مصنف کا مقصود غالباً وہ مہاستمبھ... ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھی راج عرف رائے پتھورا

کبھی ہندو نکا دھرا تھا اور اُسپر ایسے حروف میں کچھ کُھدا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُنکو پڑھ سکتا ہے اور دوسری جانب شہر کے ایک بادشاہی باغ ہے جسکو "شالامار"[ط۵] کہتے ہیں اور جو ایک بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے لیکن "فون ٹن بلو"[(۱)] اور "سینٹ جرمین"[(۲)] اور "ورسیلس"[(۳)] کے مقابلہ کا نہیں - یقین کیجئے کہ دہلی کی نواح میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶ - نے سنہ ۱۲۰۰ بکرما جیتی مطابق سنہ ۱۱۴۳ع اور سنہ ۵۳۸ ہجری میں اپنے قلعہ کے ساتھ بنوایا تھا اور سنہ ۵۸۷ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ عیسوی اور موافق سنہ ۱۲۴۸ بکرما جیتی میں معز الدین بن سام عرف شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے جو آخر کار دہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطان قطب الدین کہلایا - جب دہلی کو فتح کیا تو اسکو مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کھدوایا مگر کوئی ایسے حروف جنکی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اسپر کہیں کندہ نہیں ہیں البتہ اسکے صحن میں ایک لاٹھ ہے جو سر سے پانوں تک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور جو زمین پر سے بائیس فٹ چھ انچ بلند اور جسکی جڑ کی موٹائی کا محیط پانچ فٹ تین انچ ہے اور اسکی نسبت یہ کہانی مشہور ہے جو بالکل غلط ہے کہ رائے پتھورا کے وقت میں پنڈتوں نے اسکو باسک ناگ کے سر پر اس غرض سے گاڑا تھا کہ راے پتھورا کے خاندان کی عملداری کبھی نہ ٹلے - اسپر سنسکرت زبان اور ناگری حروف میں تین اشلوک کندہ ہیں جنکا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ سندھ کے راجہ نے راجہ دہاوا سے لڑنے کو فوج جمع کی تھی - بعد لڑائی کے راجہ ڈہاوا نے فتح پائی اور یہ لاٹھ بطور یادگار اپنی فتح کے بنائی مگر اسکے بننے سے پہلے مرگیا - صاحب آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ جیمس پرنسپ صاحب نے لکھا ہے کہ اس راجہ کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا بجز اسکے کہ ہستناپور کے راجاؤں میں کا ایک راجہ ہے اور اس قسم کے ناگری حرف تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں جاری تھے اور اس سبب سے اُنہوں نے خیال کیا ہے کہ یہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت ورے بلکہ آٹھویں صدی

ط۵ اس لفظ کی تحقیق اس کتاب کے اسی مقام میں جہاں کشمیر کے باغ شالامار کا ذکر ہے کی گئی ہے - س - ا - ح

(1) Fontainbleau (2) Saint Germain (3) Versailles.

میں ایسے محل اور عالیشان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ[1] چینٹلی[2] - میوڈان[3] - لانیکور[4] وا - یارو ل ہیں اور نہ ویسے مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں - لیکن یہ کچھ جائے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسیکو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷ - میں بنی تھی مگر ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاوں کی تاریخ سنہ ۱۰۷۶ء سے مسلمانون کی عملداری ہونے تک بصحت تمام ملتی ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے - علاوہ اسکے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت سے پیچھے سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنیکا بالکل رواج ہو گیا تھا - اسکے سوا اُس زمانہ میں ہستناپور کے راجاوں کا راج بالکل جاتا رہا تھا - اِن دلیلون سے ہمارے نزدیک یہ لاٹھ راجہ میدھاوی عرف راجہ دہلوا کی بنائی ہوئی ہے - جو راجہ جدہشٹر کی اولاد میں سے اُنیسواں راجہ ہے - اور اگرچہ یہ راجہ اندرپت میں آبسے تھے الّا قدیم تخت گاہ اُن کا ہستناپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستناپور کے راجہ کہلاتے تھے - مذہب اس راجہ کا بشنوی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے - تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدھاوی ایکہزار نوسو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا الّا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدہشٹر کی مسند نشینی کا نکالا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ آٹھ سو پچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا تھا - اور اس سبب سے ہماری راے میں یہ لاٹھ نوین صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی الّا ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ دہاوا کا فتح نامہ جس مقصد سے اُس راجہ نے اسکو بنایا تھا کہدوا کر لاٹھ کو نصب کر دیا - اور کچھ عجب نہیں کہ یہ بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو - جب راے پتھورا نے

(1) Saint Cloud, (2) Chantilly, (3) Meudon, (4) Liancour

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر

دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا ایکسو اسی میل کا فاصلہ ہے اسمیں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اسقدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور عجیب مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان مندر دیکھنے کے لئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔[ملے]

شہر آگرہ عرف اکبرآباد کا ذکر۔

یہ جو دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے جس نے اسکو آباد

ملے یہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق ۱۰۲۸ھ سنہ ہجری میں اکبرآباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ اسکے بعض بعض منارے ابتک بھی کہیں کہیں موجود اور قایم ہیں۔ س م ح۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۸

اس لاٹھ کے قریب قلعہ اور مندر بنایا تب یہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اسکو توڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنایا تب مسجد کے صحن میں آگئی چنانچہ ابتک وہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے غالباً اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح۔

کرکے اپنے تمام پر اسکا اکبرآباد نام[1] رکہا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسمیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کرسکتا ہے۔ اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور امور میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہوکر نہیں بنایا گیا اسلئے دہلی کے سے متحد الوضع اور سیدہے اور وسیع بازار جنسے اُسکو امتیاز حاصل ہے اسمیں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں بیوپاری بھی زیادہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بیقاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اس سبب سے جب پادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجب کشمکش اور دھکا پیل رہتی ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ اِن دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کردی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہوکر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

[1] صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور موافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس سنہ کے پہلے دن یہ نام جو معینی تھا بدل کر اکبرآباد نام رکہا تھا چنانچہ اسی روز سے اکبرآباد ہی مشہور ہے۔ ۱۲ س ام ح۔

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں میں
سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور امرا اور راجہ
اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک
دوسرے سے فصل کے لئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری
اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی
اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر
کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی سے جلے بھُنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل
کرنے کو آنکھیں خود بخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر
بے شبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کرکے کہ دنیا
کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آئیگا آپکو پیرس کے
چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپکو پونٹ نف پر بھی حاصل ہو سکتا Pont neuf
ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دن کو اسپر جا کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاڑیوں کا
کیا عجیب و غریب جمگھٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر سے گزرتی ہے
اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ
فرمایئے اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دکھائی دیسکتا ہے۔
اور اسپر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی
روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ
اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دن کو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر آتا ہے

اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں بادیانت اہل شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں بغیر چور اُچکوں کے خوف اور کیچڑ وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہو چاروں طرف لال ٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

مشفق من پیرس میں پونٹ نی آف پر کھڑے ہو کر بیشک آپ میری ذمہ داری پر دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا بنایا ہوا اس سے زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا کیونکہ مینے انکو نہیں دیکھا اور اسکی خوبی اُسوقت اور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لوائر کی تعمیر ختم ہوجائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اسکے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے کہ یہ صرف کاغذ ہی کاغذ پر دکھائی دیتا رہیگا۔ حقیقتاً وجود میں آجائیگا!

انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید مینے اسلئے لگائی ہے کہ دنیا کے عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اسطرح نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائینٹ ڈیو سرٹیل ہے مستثنی کر دینا ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے پہل مینے قسطنطنیہ کے اس لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی نہیں بھول سکتی اور مینے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا [۱] ہمفی تھئی ایٹر خیال

[۱] لیٹن زبان میں ایمفی تھیئٹر بیضوی شکل کو کہتے ہیں۔ پس چونکہ یہ تھی ایٹر یعنی تماشا خانے بیضوی

کیا۔ لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی مصنوعات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری راے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے۔ کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جاے قیام ہے اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کر کے پھر بھی میں انصافاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متمول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۲ ۔ شکل کی بنائے جاتے تھے تاکہ لوگ ارد گرد بیٹھکر آسانی کے ساتھ قریب سے تماشا دیکھہ سکیں۔ اسلئے ان کا نام ایمفی تھی ایٹر جسکا نام کالی سی ایم ہے ۔ اور جسکو بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصالحہ کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اسکو کھنڈر کہنا مشکل ہے بلکہ اب تک شہر روم کی نہایت عالیشان عمارات میں سے ہے ۔ اُس وادی میں بنا ہوا ہے جو شہر روم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے ۔ یہ عمارت زینوں کی طرح اسلئے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہہ کہ جو اُن کے لئے مخصوص تھی بیٹھکر تماشا دیکھہ سکیں ۔ چنانچہ سب سے اول درجے کے چبوترہ پر شہنشاہ تخت پر اور ممبران سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدس کنواری عورتیں جو معبدوں کی خدمت پر متعین رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں ۔ اور اِن سے پیچھے کے چبوترہ پر نہ بہادر اور نامدار سپاہی بیٹھتے تھے جنکو نائٹ کہتے تھے اور اِن کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سے اوپر اور اخیر کے چبوترہ پر عام شریفزادیاں جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونیکی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند نکرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملاح اور کلوں کے چلانے والے اور تماشا خانہ کے اور اہل خدمت اسکے دونوں دروازوں کی چھتوں پر بیٹھتے تھے ۔ اس عمارت کا عظم و شان اس سے سمجھہ لینا چاہیئے

جیسوئٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک گرجا اور کالج کا ذکر۔

آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسوئیٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے جسکو وہ کالج کہتے ہیں جسمیں پچیس یا تیس عیسائی گھرانوں کے بچوں کو عقاید مذہبی کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کسطرح جمع ہو گئے ہیں شاید ان جیسوئیٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۳ - کہ جب کبھی یہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو ستاسی ہزار سے کم بیٹھنے والے نہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان آرینا کہلاتا تھا کیونکہ خون کی بدبو روکنے کی غرض سے اُسمیں ابتدائی زمانہ میں آرینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہانتک تکلف بڑھگیا کہ ریت کی عوض مختلف دھاتوں کا برادہ اور شنگرف بلکہ پسے ہوئے جواہرات کی تہہ بچھانے لگے لیکن ایک ملائم قسم کے سفید پتھر کا چورا بچھایا جانا جس سے آرنیا کا سطح برف کا سا معلوم ہونے لگتا تھا - زیادہ پر لطف خیال کیا جاتا تھا - اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے جب اسپر ارغوانی رنگ کا ایک بڑا ریشمی زریکار شامیانہ تانا جاتا تھا تو اُسمیں سے دھوپ کی شعاع جو آرنیا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عہدہ داروں کے سفید چغوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی - آرنیا کے گرداگرد پانی کی نہر بنی ہوئی تھی جسمیں سے پانی چھوڑ کر آرنیا میں تماشا کرنے کے لیے جہاز سے آتے تھے - یہ تماشا خانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے خونریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اسلیئے اُن کے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جسنے اُنکو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے سب سے پہلا تماشا دو سو ساٹھ برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور سنہ ۲۵۱ع میں جبکہ رومیوں نے کارتھیج والوں پر فتح پائی اور اُنکے ہاں کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشا خانہ میں داخل کیے گئے اور اسطرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کیے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر حصر نہ رہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جنکا یہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے - یہ لوگ

سلوک نے انکو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے! جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسویٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلا کر یہاں آباد کر لیا تھا اور گزراوقات کے لئے کچھ سالیانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھکر انکا مربی تھا مگر شاہجہاں کے عہد میں انکو بہت تکلیف پہنچی اُسنے انکا سالیانہ بند کر دیا اور لاہور کا گرجا تو بالکل ہی مسمار کرا دیا اور آگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ مع اُس منارے کے جسپر گھنٹہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴ - گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُن کے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانیکے لئے آفریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے قیصر جولیس اور پامپی کے زمانہ میں یہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل حیرت کثرت سے کئے جاتے تھے اتماشائی لوگ اکثر اس غرض سے اول وقت پر آتے تھے کہ بڑے بڑے اراکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جنکے آنے پر تحسین یا نفریں کا نعرہ بلند ہوتا تھا جوانُ کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا - اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یہ فقرہ کہکر چلاتے کہ " اے سب کے مالک اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوش حال تیرے لئے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو " جب بادشاہ آکر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے چنانچہ کبھی نہریں سے ارینا میں پانی چھوڑ دیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہو کر اسمیں سے ایک غول عجیب وغریب جانوروں کا نکل پڑتا - بعض اوقات زمین پھٹ کر درخت نکلتے اور اُنپر سنہری میوے لگے ہوئے ہوتے - کبھی آرفیوس کلاونت کا پرانا عشقیہ قصہ بطور اصل کے دیکھایا جاتا - اور یہ درخت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دو تارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہ ہے کہ تماشے کے مکمل کرنے کے لئے آرفیوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آرفیوس بنتا تھا ریچھوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا اور اسکے بعد خونخوار اور اشتعال پسند رومی ارینا کے دروازے کھول دیتے اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروا دیا - جہانگیر کے زمانہ میں
اِن لوگوں کو امید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر
حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب
کے مسئلے اسکو ایسے بھاتے تھے کہ انپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا چنانچہ اُس نے
اپنے دو (نیفیوز) بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین) کو جسکا
ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محل سرا ہی میں پرورش پائی تھی عیسائی
ہو جانے کی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵ - پھاڑ کھانیکے لئے چھوڑ دئے جاتے اور لوگ نہایت بیرحمانہ شوق کے
ساتھ اُن کے حملوں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بیدرد رومی اِن غریب حیوانات کے چیخنے اور
شور وغل مچانے پر ترس کھانے کی جگہہ نہایت خوش ہوتے اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی
جانور پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاروں طرف سے انعام کے طور پر یہ صدا
بلند ہوتی کہ اِس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے! یہ لوگ
اِسی پر اکتفا نکرتے تھے بلکہ اِن جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی زرہ
پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی پھرتی اور چالاکی
سے حریف پر غالب آتے تھے - لیکن اسپر بھی اس وحشت کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اہل روم
انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے عیسائی
مذہب کے آدمی اِن درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے - اسکے بعد لاشیں اُٹھوا دی
جاتی تھیں اور تمام ارینا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا چورا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے
خون کی بدبو رفع کرنے کے لئے بچھا دیا جاتا تھا - اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی
یعنی گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنمیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے
ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے - کوئی گاڑی میں کوئی پیدل
کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا - اور ارینا میں داخل ہو کر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ
کو یوں سلام کرتے تھے وہ مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں! اِن پیشہ وروں میں

دکیونکہ اسکی ماں جو ایک دولتمند آرمنی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہو گئی تھی) اور یہ لوگ تو یہانتک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہوجانیکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اُس نے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہنکر اپنے ایک بڑے امیر کو بُلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُسنے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈر کر یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اُڑا دیا۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶ - بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہو کر کچھ روپے لیکر لڑتے تھے جنمیں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ رومی مغلوب پر رحم کرنا نہ جانتے تھے یہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہو کر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اب اسکے مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اگر اوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا - اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن زخم اخیر کے لیئے پیش کرنے میں تامل کرتا تو لعن طعن کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ - اور مقدس کنواریاں اور رحمدل مائیں اور سینٹ کے دانا ممبر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ یہ کیا حرکت کیجاتی ہے مگر سنہ ۴۰۴ مسیحی میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہ وحشیانہ اور بُرے کھیل موقوف ہوئے - اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسمیں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت آرینا میں آگھسا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ "اس طرح خوں بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو تمھارے دشمنوں پر غالب کیا ہے اسکی رحم کا عوض کشت وخون کے تماشوں کے معلوم دینے سے مت کرو" اسپر چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہ وعظ کی جگہ نہیں بڈھے پیچھے ہٹ جا اور گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا - مگر وہ بہادر اور با استقلال شخص پھر اُن کے بیچ میں آگیا اور لڑنے سے روکنے لگا جس پر

انتقال کیوقت عیسائی ہوکر مرجانا چاہا تھا اور ہمکو بلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا! لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب و ملت کا پابند نہ تھا ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نہ تھا اور باپ کی طرح اُسکا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بناکر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ مینے ایک مسلمان شخص کی زبانی جسکا باپ جہانگیر کا ملازم اور اُسکے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سُنا ہے کہ ایک دفعہ پادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس[۱] کو جسکی تندخوی کی وجہ سے جہانگیر نے اسکا نام "پادری آتش" رکھہ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُس نے آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید مین گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسویٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اُسکے تصفیہ کے لئے یہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑہا کھودکر اسمین آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷ - "بغاوت بغاوت" کا شور مچا اور حاکم نے بھی اپنی آواز اسمیں شامل کی اور گلیڈی ایٹرون نے اُس بیچارے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں نے اس مظلوم پر برسایا - لیکن اس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہ خیال آیا کہ یہ کیا حرکت کی گئی اور سب کے دل بدل گئے اور اُنھوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بیرحمی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہ تماشا پھر کبھی نہوا۔
(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا و کتاب گولڈن ڈیڈس) س م ح

[۱] ملک اٹلی کے شہر کا نام ہے - Florens

قرآن بغل میں لیکر اُسمیں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں اُسکا مذہب قبول کرلونگا ۔ چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول کرلیا لیکن ملا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کرکے اس آزمایش سے باز آیا ۔ ! یہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اسمیں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جلیسویٹ لوگوں کی بڑی عزت وحرمت تھی اور اس وجہ سے اُن کو دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے بعد باستثنا اُس ربط وضبط کے جو داراشکوہ اور فادر بوزی(۱) کے باہم تھا اس قسم کی امید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ۔

اب چونکہ اس جگہہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپکو لکھنے کو ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کروں میری دانست میں اِن لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لئے جو یہ ایسے بعید ملک میں آئے ہیں بیشک تعریف کے لایق ہیں خصوصاً کیپوشین اور جیسویٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقاید مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت عزت سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کاتھلک(۲) فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمینیا کے چرچ کا مقلد ہو ۔ اور نسطورین(۳) ہو یا جیسکوبٹ(۴) محبّت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں ۔ اور پردیسی

(1) Father Buzee (2) Catholic (3) Nestorian (4) Jacobit

اور مفلوک الحال عیسائیوں کی جائے پناہ اور باعث تسلی ہیں۔ اور اپنے
علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقات سے غیر مذہب کے بے ایمان
اور عیاش لوگوں کے لئے شرم کا باعث ہیں مگر بدقسمتی سے بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا
بجائے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں)
ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ انکا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے
اور بجائے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے انکی گمراہی کا باعث
ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لئے مضر ہیں اور اس کام کے
لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم و عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں
اور میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لئے باعث
فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و
تلقین کے لئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ
افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس
معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جسقدر
حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا
اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ
بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُنکے
دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ
دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان بادشاہوں

اور اُن کی سلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذھب کی امید نہیں
اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں
جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اسلیئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں
کہ اِن لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں
کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جاسے - یہ سچ ہے کہ مسلمان
انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم
کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسی" کبھی نہیں کہتے
اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے
پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" تھے
لیکن یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جسمیں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ
دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں
کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک
طرح سے مدد کریں اور اُن کی دعا اور اِن کی طاقت اور دولت اپنے
نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف
ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے - کیونکہ مشنری
لوگوں پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں - اور اس بات کی بہایت احتیاط رہنی
چاہیئے کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر
مجبور نہوں اور صرف اُنکی فراغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی
جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات حق

کے لئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں کہیں موقع پاسے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق سے محنت کرنے کی خواہشمند ہو اگرچہ یہ کام ہرایک عیسائی ملک پر واجب ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے۔ کیونکہ (معاذاللہ) محمدؐ کے مذہب باطل نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے یہ اپنے مقلدوں کو انکی بلاقید اجازت دیتا ہے اپنے پیرؤوں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے یہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قایم ہوا ہے اور ابتک دنیا میں اسی وحشیانہ ظلم و ستم سے قایم ہے۔ اور اسکی زہر آکود اور برباد کن ترقی کے روکنے کے لئے عیسائیوں کو وہ جوش اور وزریعے عمل میں لانے چاہئیں جو بیان کئے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام) کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اوسکی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ اُن باتوں کو معلوم کر کے کسیقدر تسلی اور امید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں! مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لئے ایک اور بڑا افسوس سدّ راہ سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر

آگرہ میں ڈچ لوگوں کی جو کہ غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے جسمیں اُن کے چار یا پانچ آدمی رہتے ہیں یہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لیس اور آہنی چیزوں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں انکی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اور اب نہ صرف بیلاپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی اُن کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکے دو سبب ہیں ایک یہ کہ ان کے مقابلہ میں ارمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھگئی ہے۔ دوسرا یہ کہ آگرہ سورت سے دجوان کا اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اسکے علاوہ ان کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑکر احمدآباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہوکر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود ان دقتوں کے میری دانست میں انگریزوں کی طرح آگرہ سے یہ اپنی کوٹھی کبھی

نہیں اُٹھائینگے کیونکہ انکو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جلسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اِن کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ ۔ پٹنہ ۔ سورت ۔ یا احمدآباد میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسیطرح کا ظلم یا ناانصافی اِن کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اُسکی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں۔

مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے ذکر پر جنکی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ اِن میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اسیر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جدا نکرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کیوقت شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بسے! میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسمیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جسکا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں۔ آگرہ سے نکلکر مشرق کیطرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے۔ جسکے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب تمیہ مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو اُن محراب دار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جنکا میں پہلے ذکر

کرچکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچے گے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپکو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے۔ اور اسکے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہے جسمیں سے ہو کر باغ میں جاتے ہیں اور جسکے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوے ہیں۔ یہ مستطیل شکل کی عمارت ہے اور ایک ایسے پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سرخ سنگ مرمر[۵۱] کے مشابہ ہے لیکن ویسا سخت نہیں ہے۔ اس عمارت کا پیش سینٹ لوئیس کی عمارت کے پیش کی بہ نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچہ میں ہے۔ میری دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلندی میں اُسیقدر ہے اسکے ستون اور مرغول اور کارنسیں اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری راے میں یہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہہ پاے اگرچہ قریباً یہ تمام عمارات صدہا قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں۔ مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے اور اسکا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں۔ اور کوئی جگہہ اسمیں ایسی

---

۵۱ ولایت میں ایسے چکنے پتھر کو مرمر (ماربل) بولتے ہیں اور تعبیر باعتبار رنگ کر لیتے ہیں جیسے مرمر سفید و مرمر سیاہ اور مرمر سرخ جنکو ہم سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ وغیرہ بولتے ہیں۔ س ام ح۔

نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو مینے اسکو جاکر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اسکی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہوسکتی مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُس نے یہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا اور عظیم وشان کا مکان مینے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے پائینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب وو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں سے آپ داخل ہوں گے ویسی ہی دوسری جانب پائیں گے جس میں سے گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہ روش جو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے اسقدر چکلی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سرے سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی جو کور سخت پتھروں کی سلون کا فرش لگا ہوا ہے اور بیچو بیچ نہر بنی ہوئی ہے جسکی روکار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے اور زیبایش کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوئے ہیں اور کوئی بیس یا پچیس ۲۵ قدم چلکر اور بہشت کی طرف موہنہ پھیر کر اس

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں - کیونکہ دروازہ کی عمارت
کی یہ طرف بھی اگرچہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور
اُسی وضع کی ہے! دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی دیوار
کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشین بنتی
چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قایم ہیں اور
برسات کے موسم میں غربا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لئے
شاہجہان کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار ان میں آکر جمع ہوتے ہیں - اب
آپ پھر اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئیگا
جسمیں بیگم کی قبر ہے اور جسکے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ
کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوئے
ہیں - اس گنبد کے دونون جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی عمارتین
بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہے اور یہ دونوں پشت کی طرف
باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور اِن میں جانے کے لئے تین تین محرابدار
دروازے ہیں - اِن کے بعض حصے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے
پر واقع ہیں جنمیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشین ہین
اِن عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرایشی کام
بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے
اندر کے زیبایشی کام ہیں اسلیئے میں اُنکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں
اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

تشبیہاً "واٹر پارٹیر"[51] کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُسکے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بناکر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد "باکس" لگا ہوا ہے یہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اسیقدر اونچا ہے جسقدر کہ "والدی گریس"[52] ہے اور اسکے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہ کل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جنمیں سے تین بالکل کھلی ہیں اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جسمیں کئی "ملا" تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بناکر جمائے ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کاسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حسن نہ رکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار

۵۱ پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو کہتے ہیں جو طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بناکر امتیاز کے لیئے اُن کے ادھر اُدھر سبز گھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جسکی عوض فرنگستان میں باکس جو ڈوڈینیا کی طرح کی ایک بوٹی ہے لگاتے اور اسکو تراش کر کیاریوں کے اردگرد مختلف شکل کے حاشیئے اور جدولیں بناتے ہیں۔ س م ح۔

۵۲ شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ س م ح۔

کی رو کار میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشپ اور عقیق اور اور قسم کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بیشمار وضع کی اور نہایت خوبصورت اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی کی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی چوکور سلوں کا ہے یہ پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایکبار بڑے تکلفات سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کیوجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں پاتا اسلیئے میں ہی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اوسکی زیب و زینت اور آرائش و پیرایش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے! اب آپ سے صرف اس چبوترہ کا ذکر کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس قدم چوڑا اور اس سے کسیقدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چبوترہ پر سے دریاے جمنا نیچے بہتا ہوا اور بیشمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں۔ اور شہر آگرہ کا ایک حصہ اور قلعہ اور امرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جبکہ یہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟ یہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے ہندوستانی مذاق پیدا کر لیا ہو۔ لیکن میں یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہ مکان اہرام مصر کی بہ نسبت جو اُن گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر بھی

سے مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سے بجز اسکے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جنکے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دنیا کے عجائبات میں شمار کیے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے [۵۱]

[۵۱] یہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کی ابتدا میں ہی شروع ہوئی تھی اور سولہویں سال جلوس مطابق سن ایکہزار باون ہجری میں بنکر ختم ہوئی بادشاہنامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اسپر خرچ ہوا۔ اسکی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم فاتحہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے ملجلکر یہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جسکا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کردی تھیں - س م ح فقط (جلد دویم تمام ہوئی)

اطلاع اس خط کا سنہ اور تاریخ جو اور خطوں سے پہلے کا ہے اس کو پیچھے لگا ہوا دیکھکر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سن غلط چھپ گیا ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ خط انگریزی میں جلد اول کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تھا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہہ جمع کر دینے اچھے معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے متعلق ہیں اسلئے اس خط کو دوسری جلد میں شامل کر دیا گیا ہے - ۱۲

تمت بالخیر

تقریظ

ریختہ کلک فصاحت نگار جناب والا خطاب وزیر الدولہ مدبر الملک

خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ دام اجلالہ

انسان جب مر جاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا! مگر اہل تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور اُنکی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح بولتے چالتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں! چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس برنیئر ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دوسو برس کے قریب مرے ہوئے مگر زندہ ہے! دنیا سے گئے گو ایک زمانہ گزرا مگر موجود ہے! زبان کو بند ہوئے عرصہ ہوا مگر بولتا ہے! اسکا کاغذی لباس پہنے ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولنا! اور بولنا بھی قلم کی زبان سے جسمیں یہ خوبی ہے کہ آواز نہیں اور سنائی ہر کسی کو دیتا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ

اُس نے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسیکو خوش قسمتی سے اُسکا ایک
قطرہ بھی نصیب ہو گیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا - یہ وہ چشمہ نہیں جسکو
لوگ **آبِ حیات** کا چشمہ کہتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُسکا پانی پی لینے
سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے - کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ
ہے نہ اُسکو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اسکا پانی پیا - مگر جس چشمہ کا ہم
ذکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور
اُسکا آبِ حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسّر
آسکتا ہے ۔ یہ چشمہ **دوات** ہے - اور اسکا زندگی بخش پانی اسکی
روشنائی ہے - جو اہلِ تصنیف ہمیشہ قلم کے پمپ کے ذریعے اسمیں سے
نکالتے اور آبِ حیات کیطرح خود پیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں - پس مبارک ہیں
وہ جنھوں نے اِس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے انکی زندگی جو دنیا کی
زندگی کے برخلاف بے غل وغش اور بے کلفت زندگی ہے مگر فاضل
ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑہانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مجرّب اور
تیر بہدف ہاتھ آیا ہے - اور یہ اُسکو استعمال بھی اس خوبی سے کرتا ہے
کہ خطا کرہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کسیقدر دیرینہ اور
بوسیدہ ہو چلا ہے تو کسی نہ کسی ڈھب سے اُسکو بدل ڈالتا اور نیا اختیار
کرلیتا ہے - اور تناسخ کے مسئلہ کو جو اب تک صرف ایک بات ہی بات تھی
اور انسان کا مر کر دوسرے قالب میں چلا جانا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا اپنے
عمل سے ثابت کر دکھاتا ہے - چنانچہ پہلے پہل مسٹر ارونگ براک

صاحب کی اعانت سے اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اُس عقلمند قوم کے لوگون نے
موءرخ اور جہاندیدہ جانکر قدرشناسی کی راہ سے اسکو اپنے سر اور آنکھون پر بٹھایا اور اسکی مفید اور
تجربہ آمیز باتوں اور دلچسپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہہ دی اور اب
ہمارے نہایت صاحب علم و فضل و جامع الکمالات دوست جناب کرنل ہنری مور
صاحب بہادر سی بی و سی آئی ایس آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان
اور میرے چھوٹے بھائی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب
میر منشی ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور تھوڑے ہی
عرصہ میں وہ اُردو بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے
یا دلّی کا! پس میرے عزیز ہموطنوں تمکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس
دانا اور تجربہ کار حکیم کی جس نے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور
تمہاری ہی بولی سیکھہ لی ہے جان و دل سے خاطر و مدارات کرو اور اپنے
ملک کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤن اور امیرون اور ہر ایک درجہ کے لوگوں
کی باتیں جو اسکی آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں اُس کی زبان سے سنو! یہ تمکو بلا رورعایت
سچ سچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے ملک کی کیا حالت تھی
سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا
حال تھا! ملک کی دولتمندی کی کیا کیفیت تھی! راستے پُر امن تھے یا
خطرناک اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے
تعلیم عام کا کچھہ انتظام تھا یا نہیں! عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی!
اور اسکے لئے کچھہ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نہ تھے! اور انکی تعمیل

کیسی ہوتی تھی! آزادی رائے جسمیں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعایا کو حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات کا کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور عیش و آرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی اور اُسکا نظم و نسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی کے کیا طریقے تھے - بادشاہ دربار کسطرح کرتا تھا! اور اُسکی شان اور جلوس کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہ باتیں تمکو یہ ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا کہ گویا اُنکا مرقع تمہارے سامنے کر دیگا جس سے تم اُسوقت اور اِسوقت کی حالت کا بخوبی موزانہ کر سکو گے - اور سمجھ سکو گے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جسکی نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سُنکر غالباً تم اپنے دل میں خیال کرتے ہو گے کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے نہایت ہی عمدہ اور خیر و برکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی - اور اَب کوئین وکٹوریہ بادشاہِ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے - والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵ - نومبر ۱۸۸۵ء

قطعہ تاریخ اختتام ترجمہ از نتائج طبع جناب خلیفہ سید محمد محسن صاحب متین برادر خرد جناب وزیر صاحب بہادر و میر منشی صاحب زید مجدہم

زانگریزی این ترجمہ چون باردو
بگر دید و تاریخ ختمش بجستم
خرد اے متین یافت سال مسیحی
سفر نامۂ برنیر شد مترجم ۱۸۹۵ع

قطعہ تاریخ از تصنیف منشی محمد حسین صاحب خوشنویس مرادآبادی المتخلص بہ غریب

یہ عمدہ ترجمہ جب چھپکر ہوا مکمل
جو حاشیوں سے اسکی ہمیشہ بنگیا ہے
ہاتف پکارا غیب یوں از روے بشارت
لکھ اسکا سال ہجری کیا خوب ترجمہ ہے ۱۳۱۳ھ

نام کتاب	قیمت
تفسیر القرآن جلد چہارم اس جلد مین سورۂ انفال۔ سورہ توبہ۔ اور سورہ یونس کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ زرد سادہ	؎ ر
تفسیر القرآن جلد پنجم اس جلد مین سورۂ ہود۔ سورۂ یوسف۔ سورہ رعد۔ سورہ ابراہیم سورہ حجر۔ اور سورہ نحل کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ مجلد مطلا	سے ر
تفسیر القرآن جلد ششم اس جلد مین سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر ہے۔ مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید جلد طلائی	سے ر
ایضاً ایضاً ایضاً زرد " سادہ	؎ ر
خطبات احمدیہ۔ مصنفہ سرسید احمد خان مرحوم۔ کاغذ عمدہ۔ جلد پختہ ..	؎ ۴ر
ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً جلد خام ..	سے ر
النظر۔ مصنفہ سید احمد خان مرحوم۔ اس مین آٹھ رسالے شامل ہین جن مین امام غزالی کے بعض مضامین پر محققانہ بحث کی گئی ہے	۱۲ر
ابطال غلامی۔ مصنفہ سرسید احمد خان مرحوم۔ اسمین نہایت تحقیق اور اجتہاد سے اسبات پر بحث کیگئی ہے کہ اسلام نے غلامی کو باطل ٹھیرایا ہے	عہ ر
امہات المومنین کا جواب یہ سرسید کا آخری مضمون ہے جو وفات سے چند دن قبل لکھنا شروع کیا تھا	۴ر
آیات اللہ الکاملہ ترجمہ اردو کتاب حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث	عا ۱۲ر
اعجاز التنزیل۔ مصنفہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم۔ وزیر اعظم ریاست پٹیالہ	؎ ر
دعوت اسلام۔ ترجمہ پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ	؎
رسائل شبلی۔ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کے گیارہ مختلف مضامین کا مجموعہ	عہ ر

نام کتاب	قیمت
الفاروق ہر دو حصہ للعہ - یعنی حضرت عمر فاروق رضی کی مکمل سوانح عمری مرتبہ شمس العلما مولوی شبلی	عما ر
المامون مع الجزیہ - یعنی مامون الرشید کی زندگی کے واقعات ..	عہ ر
سیرۃ النعمان - سوانح عمری امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی	عہ ر
تاریخ علم کلام حصہ اول - شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی سب سے آخری اور نئی تصنیف	عہ ر
عجائب الاسفار جلد اول - یعنی سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ	عا ر
؍؍ ؍؍ جلد دوم ایضاً ایضاً ایضاً	عا ر
سفرنامہ روم مصر و شام - شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی کا سفرنامہ	عہ
مسیر حامدی یعنی سفرنامہ جناب نواب محمد حامد علی خان بہادر والی ریاست رامپور متعلقہ سفر یورپ	سے ر
وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر جسمین واقعات عہد سلطنت شاہجہان و اورنگ زیب درج ہین - قیمت ہر دو حصہ	عا ر
حیات جاوید - یعنی لائف سر سید احمد خان مرحوم بلا ضمیمہ حیات طبع دوم	سے ر
تزک عبد الرحمانی کے ہر دو حصہ جات جس مین امیر عبد الرحمن خان نے خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے اور اوس کا اردو ترجمہ (محمد حسن خان صاحب نے کیا ہے) قیمت ہر دو حصہ للعہ	سے ر
تاریخ پیغمبران حصہ اول - جسمین ابتدا سے آفرینش عالم و پیدائش حضرت آدم و کل انبیا سے مرسلین کے حالات و معجزات مفصل سلیس اردو مین لکھے گئے ہین قیمت فی جلد	عہ ر